ISSN: 2411-0949

شش ماہی

انٹرنیشنل

شاہد

سیرتِ طیبہ پر تحقیقی مجلہ

جلد نمبر: ۹ شمارہ نمبر: ۱۸
جولائی تا دسمبر ۲۰۲۳ء

مؤسس مدیر:

پروفیسر ڈاکٹر دلاور خان

شاہد ریسرچ فاؤنڈیشن پاکستان

ISSN DRJI Cosmos DOAJ

بسم الله الرحمن الرحيم

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا

ششماہی شاہد انٹرنیشنل

سیرت النبی ﷺ پر تحقیقی مجلہ

شمارہ نمبر ۱۸، جولائی تا دسمبر ۲۰۲۳ء، جلد نمبر ۹

سرپرست اعلیٰ:

پروفیسر ڈاکٹر عبدالجبار قریشی

سابق چیئرمین: شعبہ اسلامیات، وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی، کراچی

مؤسس ومدیر:

پروفیسر دلاور خان

پرنسپل، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ایجوکیشن سٹی ملیر کراچی

معاون مدیر:

ڈاکٹر فیاض شاہین

لیکچرار، ہمدرد یونیورسٹی، کراچی

زر تعاون فی شمارہ =/300 روپے

شاہد ریسرچ فاؤنڈیشن

پتہ: 3/327-C، بلاک نمبر ا، گلستانِ جوہر، کراچی۔

موبائل نمبر: 0322-2413267، ای میل: shahidrf322@gmail.com

قومی مجلس مشاورت

☆پروفیسر ڈاکٹر سلیم مظہر
پرو وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایوں شمس عباس
شعبہ عربی وعلومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

☆پروفیسر ڈاکٹر محمد سہیل شفیق
صدرِ شعبہ تاریخ اسلام، جامعہ کراچی

☆پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی
ہائی ٹیک یونیورسٹی، اسلام آباد

☆پروفیسر ڈاکٹر حسن امام
صدرِ شعبہ اسلامیات، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمود عالم آسی
وزٹینگ فیکلٹی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، کراچی ریجن

☆پروفیسر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل بدایونی
سپریئر کالج شاہ فیصل کالونی، کراچی

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا
ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، منہاج یونیورسٹی

☆ پروفیسر ڈاکٹر تنظیم الفردوس
صدرِ شعبہ اردو، جامعہ کراچی

☆پروفیسر ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی
شعبہ عربی، منہاج یونیورسٹی، لاہور

☆پروفیسر ڈاکٹر مجیب احمد
انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

☆پروفیسر ڈاکٹر محمد کامران
گورنمنٹ ڈگری کالج گلشن اقبال، کراچی

☆ڈاکٹر محمد مہربان باروی شامی
کراچی یونیورسٹی، کراچی

☆ڈاکٹر سید عطاء اللہ شاہ بخاری
کیڈٹ کالج، گھوٹکی

بین الاقوامی مجلس مشاورت

☆ڈاکٹر احمد (مدینہ منورہ)

☆ڈاکٹر خلیل طوقار (ترکی)

☆ڈاکٹر رضوان فضل الرحمٰن (طیّبہ یونیورسٹی، مدینہ)

☆پروفیسر ڈاکٹر کوثر مصطفیٰ (بنگلہ دیش)

☆پروفیسر ڈاکٹر غلام زرقانی (امریکا)

☆ڈاکٹر نرگس جابری نسب (ایران)

☆ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی (ایران)

☆ڈاکٹر شیخ سیلم علوان الحسینی (آسٹریلیا)

☆پروفیسر ڈاکٹر علیم اشرف جائسی (انڈیا)

☆ محمد مسعود احمد سہروردی اشرفی (امریکا)

محترم مقالہ نگاران سے گذارشات

(۱)۔مقالات سیرت طیبہ کی مختلف جہتوں کے حامل ہوں۔

(۲)۔مقالے کا اسلوب نگارش تحقیقی ہو۔

(۳)۔ملکی اور بین الاقوامی مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں تلاش کیا جائے۔

(۴)۔مقالہ عملی اور اطلاقی پہلو کا حامل ہو۔

(۵)۔مقالات اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبان میں تحریر کیے جاسکتے ہیں۔

(۶)۔مقالات A4 سائز پر ''ایم ایس ورڈ'' پر کمپوز کرا کے ای میل کے ذریعے ارسال کیے جائیں۔

(۷)۔مقالے کے ساتھ انگریزی زبان میں اس کی تلخیص ضرور شامل کی جائے۔

(۸)۔وہی مقالات شاملِ اشاعت ہوں گے جن کی پروف ریڈنگ کرائی گئی ہو۔

(۹)۔حوالہ، حواشی اور کتابیات مروجہ معیاری طریقہ پر تحریر کی جائیں۔

(۱۰)۔مقالے کی اشاعت کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا جائے۔

(۱۱)۔کسی بھی مقالے کی اشاعت کے لیے ادارے کی طرف سے نامزد کردہ ماہرین کی تائید ضروری ہے۔

(۱۲)۔ناقابل اشاعت مقالات واپس ارسال نہیں کیے جائیں گے۔

(۱۳)۔اشاعت کی صورت میں مقالہ نگار کو مجلے کے دو اعزازی نسخے روانہ کیے جائیں گے۔

(۱۴)۔سیرت پر مشتمل کتب پر تبصرے کے لیے ادارے کو کتاب کے دو نسخے ارسال کیے جائیں۔

نوٹ: شائع شدہ مقالات کے صحتِ متن اور حوالہ جات کی ذمہ داری مقالہ نگار پر عائد ہوتی ہے۔ مقالہ نگار کی رائے سے مجلس ادارت کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

حسنِ ترتیب

۱۔ محورِ خیال: سیرت نگاری کے ارتقاء میں صوفیہ کرام کا کردار (اداریہ) ____ 06 - 11

پروفیسر دلاور خان

۲۔ کشف المحجوب میں مباحث سیرت اور سید ہجویریؒ کا منہج واستدلال ____ 12 - 34

ڈاکٹر محمد کریم خان ، ڈاکٹر محمد طاہر مصطفیٰ

۳۔ شعورِ نبوت میں صوفیہ کا کردار ____ 35 - 53

حسن بیگ ، ڈاکٹر نعیم محسن

۴۔ غیر مسلموں سے تعلقات اور بقائے باہمی کی اساس: سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں _ 54 - 73

ڈاکٹر محمد سجاد

۵۔ صارفین کے حقوق: معاصر پاکستانی قوانین اور سیرت نبوی ﷺ کا تقابلی مطالعہ _ 74 - 106

ڈاکٹر اظہر خان ، رحیم داد

۶۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی بحیثیت سیرت نگار (تفسیر مظہری کا خصوصی مطالعہ) ____ 107 - 124

حافظ نوید اقبال ، محمد ہمایوں عباس

۷۔ ظاہری وباطنی صفائی اور مسلم معاشرے کا تعامل (سیرت طیبہ کی روشنی میں) _ 125 – 160

ڈاکٹر شاکر حسین خان

۸۔ قرآن وسیرت طیبہ کی روشنی میں اسلامی صحافت وابلاغ کا اصلاحی مطالعہ _ 161 – 188

ڈاکٹر محمود عالم آسی

محور خیال:

(اداریہ)

سیرت نگاری کے ارتقاء میں صوفیہ کرام کا کردار

ارشاد باری تعالیٰ ہے '' قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ''(جس نے خود کو پاک کرلیا وہ کامیاب ہوا)صوفیاء کے نزدیک تزکیہ کا مفہوم قلب کو تصور غیر سے پاک رکھنا۔ جس کے دو محرکات خوف خدااور حب رسول ہیں۔اس پس منظر میں تصوف کے سکے کے دو رخ قرار پائے۔یہی وجہ ہے کہ تصوف کی دو شاخیں نمودار ہوئیں ایک ”زاہدانہ تصوف“ جس میں خوف الٰہی کا غلبہ ہواور دوسرا”عارفانہ تصوف“جس میں حب الٰہی اور حب رسول ﷺ کا غلبہ ہو۔کامل صوفی وہ ہے جو دونوں کا مجمع بحرین ہو۔ جب صوفی عشق ومحبت کی کیفیات سے سرشار ہوتا ہے تواس سرشاری کی کوکھ سے تصوف کاعارفانہ ادب جنم لیتاہے۔ جس سے صوفی اپنی قلبی وروحانی بالیدگی اور تسکین کے ارتقاء کازادوسامان اپنے دامن میں سمیٹتا دکھائی دیتاہے یہی وجہ ہے جس کا قلب حب رسول ﷺ سے سرشار ہو وہ قلب غیر خدا کے مسکن بننے سے محفوظ ومامون رہتاہے۔ جب جبی کیفیات حال سے قال کا روپ دھارتی ہیں تواس کی زبان حال پکاراٹھتی ہے کہ:

اب آدمی کچھ اور ہماری نظر میں ہے۔۔۔۔۔۔جب سے سنا ہے یار لباس بشر میں ہے

جب یہ کیفیات ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اپنے بام عروج تک پہنچتی ہیں تواب اس کا محور صرف ذات مصطفیٰ کریم ﷺ تک محدود نہیں رہتا بلکہ اطراف اور متعلقات النبی ﷺ کا بھی اسیر دکھائی دیتاہے۔ ان کیفیات سے مسرور ہوکر صوفی ہر اس فرد اور شے سے بھی اپنی والہانہ محبت کا اظہار کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے جو آقا کریم ﷺ کی نسبت کی حامل ہو۔اسی کیفیت کا اظہار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں:

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے ۔۔۔۔ غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا۔۔۔۔۔ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

جب صوفی اپنی جبی کیفیات کو حروف کا جامہ پہناتا ہے تووہ حمد ونعت اور سیرت نگاری کی صورت میں وقوع پزیر دکھائی دیتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ صوفیانہ ادب حمد ونعت اور سیرت نگاری سے مزین ومعمور ہے۔اس مرحلے پر ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ سیرت نگاری کے ارتقاء میں صوفیہ کے کردار پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے:

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ نے مسلم امہ کی رشد وہدایت کے وعظ ونصیحت کی نہ صرف محافل کو رونق بخشی بلکہ تصنیفی خدمات سر انجام دیں۔ جو آپ کی علمیت اور روحانی کمالات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ کی تصنیفات میں غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، الفتح الربانی، یواقیت الحکم، جلاء الخاطر فی الباطن والظاہر، دیوان غوث اعظم اور تفسیر جیلانی شامل ہیں اس کے علاوہ آپ کا میلاد سے متعلق "رسالہ مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم" بھی ہے اس رسالے سے متعلق جانشین شرف ملت پروفیسر ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی زیدہ مجدہ رقم طراز ہیں "عربوں میں نثری میلاد ناموں کی ایک روایت اب بھی موجود ہے۔ ماہ ربیع الاول میں یہ میلاد نامے ذوق وشوق سے پڑھے اور سنے جاتے ہیں، ان میں حضرت سید جعفر بن حسن حسینی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا میلاد نامہ سرفہرست ہے۔ پیش نظر رسالہ مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی میلاد ناموں کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، تعجب کی بات ہے کہ یہ رسالہ ابھی تک غیر مطبوعہ تھا، یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کے مخطوطے کہاں کہاں محفوظ ہیں، فی الحال اس کا ایک مخطوطہ ایک مطبوعہ دستیاب ہوا ہے۔ دستیاب مخطوطہ سعودی عرب کے شہر ریاض میں قائم کنگ سعود یونیورسٹی کی آن لائن ڈیجیٹل لائبریری میں ۵۶۷۵ کے تحت موجود ہے۔"

ڈاکٹر سدیدی مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن کی وضاحت کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

"عرب دنیا میں رائج میلاد ناموں کے اسلوب و آہنگ میں ڈھلا ہوا محبوب سبحانی حضرت غوث اعظم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے کا مسجع مقفی طرز بیان کہیں بھی تکلف پر مبنی نظر نہیں آتا بلکہ شروع سے آخر تک سلیس شستہ اور رواں دکھائی دیتا ہے بلکہ بیشتر مقامات پر اس رسالے کی انفرادی شان جلوہ گر نظر آتی ہے۔ قرآنی آیات سے اقتباسات نے جہاں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو اجاگر کیا گیا ہے وہیں زبان و بیان کی دلکشی میں اضافہ بھی کیا ہے، پیش نظر رسالہ مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ میلاد کا عنوان لیے ہوئے ہے مگر اس کا ایک حصہ معراج کے بیان پر مشتمل ہے جو دلوں میں عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راسخ کر رہا ہے، زیر نظر رسالے میں جہاں علمی گہرائی اور تصوف کی چاشنی پائی جاتی ہے وہیں اس کے ایک ایک جملے سے عربی زبان کی حلاوت اور فصاحت جھلکتی ہے، یہ میلاد نامہ ظاہری محاسن کے ساتھ ساتھ اپنے اندر علمی روحانی اور وجدانی معانی اور مفاہیم کا ایک جہاں لئے ہوئے ہے، آخر لکھا ہوا کس کا ہے؟ وہ سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ جنہیں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے براہ راست علمی فیضان سے نوازا، آپ کے الفاظ فصاحت، بلاغت اور سلاست سے آراستہ ہیں ہی مگر یہ کلمات طیبات اپنے اندر محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات اور وجدانی کیفیات کی ایک دنیا بھی سمیٹے ہوئے ہیں، اس لیے یہاں آورد کا تو شائبہ بھی نہیں بلکہ یہ رسالہ اپنے آغاز سے اختتام تک آمد ہی آمد ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ حب الٰہی اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جام پینے کے بعد حضرت غوث رحمۃ اللہ علیہ نے خاص کیفیات میں رسالہ تحریر فرمایا"۔

فیضان غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے سرشار ہو کر ڈاکٹر ممتاز سدیدی نے اس رسالے کو عربی سے اردو کے قالب ''جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند'' میں ڈھالا ہے۔ علامہ محمد عمر حیات قادری نے اس رسالے کے ترجمے کو صفہ فاؤنڈیشن سے شایع کیا ہے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (۵۶۰ تا ۶۳۸ھ)

دنیا اسلام کے ممتاز صوفی، عارف، محقق اور اسلامی تصوف میں آپ کو شیخ اکبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسلامی تصوف میں وحدت الوجود کا تصور اجاگر کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر بندھتا ہے۔ آپ کی کتب کی تعداد تقریباً ۵۰۰ ہے جس میں فصوص الحکم اور فتوحات المکیہ زیادہ معروف ہیں۔ شیخ اکبر کو خرقہ کی نسبت ابو محمد یونس قصار ہاشمی کے ذریعے سے بہ یک واسطہ غوث اعظم سے حاصل ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپ کو حضرت غوث اعظم سے بلا واسطہ حاصل تھی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں:

''شیخ اکبر ابن عربی (محی الدین محمد بن علی: ۱۷ رمضان ۵۶۰ / ۲۸ جولائی ۱۱۶۵۔۶۳۸ / ۱۲۴۰) کا ایک خلاصہ اختصار السیرۃ النبویۃ کے عنوان سے ملتا ہے۔ ان کی کتاب جامع محاضرات الابرار و مسامرات الاخیار، جو بالعموم کتاب المحاضرات والمسامرات کہلاتی ہے۔، ایک مختصر سیرت شروع میں رکھتی (رقم) ہے'' (سیرت نگاری: تعارف، مآخذ، رجحانات، منہج۔ ص ۱۲۳)

حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ (۵۸۹ تا ۶۴۳ھ)

آپ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خلافت حاصل تھی، صاحب ذوق سماع تھے، آپ ایک کامل صوفی اور عالم دین تھے آپ نے کئی کتب تصنیف کیں جیسے: رسالہ اصول الطریقت، رسالہ چہار منزل، رسالۃ السماع، رسالۃ العشق، رسالہ آیات القرآن، رسالہ سوال وجواب، رسالۃ السلوک، فتاویٰ حمیدیہ، ملفوظ شرف الانوار اور فارسی زبان میں دیوان حمید کے نام سے آپ کا شعری مجموعہ بھی ہے، ان میں چند کے علاوہ ناپید ہیں۔ آپ نے معراج نامہ بھی تصنیف فرمایا جس کے متعلق ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید صدیقی اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ''اردو میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں لکھتے ہیں ''معراج نامہ، حمید الدین ناگوری کا مخطوطہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری میں موجود ہے''

امام ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۳۔۸۰۴ھ)

آپ کا پورا نام ''ابو حفص عمر بن علی بن احمد بن عبد اللہ انصاری اندلسی مصری شافعی'' ہے آپ کا شمار اکابر صوفیاء میں ہوتا ہے آپ نے خود بھی خرقہ زیب تن کیا اور دوسروں کو بھی عطا کیا۔ آپ نے دیگر علمی میدان کی طرح تصوف میں بھی جوہر دکھائے۔ ''طبقات الصوفیہ'' یا طبقات الاولیاء'' اسلامی تصوف سے متعلق ایک مایہ ناز

تصنیف ہے اس کے علاوہ علامہ سراج الدین ابن الملقن الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وقیع کتاب "غایۃ السؤال فی خصایص الرسول" تصنیف کی، اس کتاب کا اردو ترجمہ حافظ محمد عظیم صفدر نے کیا ہے جسے "عکس پبلی کیشن" لاہور نے شایع کیا ہے۔

شاہ رؤف احمد رافت رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۹ھ/۱۸۳۱ع)

آپ کا شمار حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہوتا ہے آپ حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کا ایک قلمی منظوم رسالہ مولود شریف پر بھی ہے۔ جس کا ایک نسخہ سینٹرل لائبریری بھوپال میں موجود ہے جو تقریباً ڈیڑھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ آپ کا میلاد نامہ در مولود محمدیہ کے نام سے ۱۲۶۲ھ میں محمدیہ پریس بمبئی سے شایع ہوا جو اب ناپید ہے، اردو نثر میں "مرغوب القلوب فی معراج المحبوب" طبع ہو چکی ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو کراچی میں محفوظ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ نے عربی زبان میں "اثبات النبوۃ" اور تہلیلیہ رسائل قلم بند کئے۔ اثبات النبوۃ ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے جس میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور معجزات کے بارے میں دلائل جمع کئے ہیں۔ "تہلیلیہ" میں صوفیانہ انداز میں کلمہ طیبہ کی تشریح کی گئی ہے۔ کلمہ کے جزو ثانی کا تعلق رسالت سے ہے اس لیے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، معجزات، اخلاق اور اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔

الشیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کا شمار سیدنا بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہوتا ہے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بن عزیز الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ آپ نے ۱۷ شعبان، ۹۲۷ھ میں وفات پائی اور اپنی خانقاہ ہی میں مدفون ہوئے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر گیارہ کتب تحریر کیں۔ مواعظ و مجالس کے طور پر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ نصف سے زیادہ حصہ لکھا گیا تھا کہ وصال ہو گیا اور یہ کتاب نا تمام رہ گئی۔ اس کے علاوہ آپ نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی کتاب، الشفاء کا خلاصہ بہ نام "کتاب الصفاء من الشفاء" قلم بند کیا۔ (تاریخ تحفہ مجاہدین ص ۱۷)

حضرت امیر کبیر سید ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۱۴ھ/۱۳۱۴ع)

آپ نے شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مختصر رسالہ "اسناد حلیہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم" رقم کیا۔ اس سے متعلق ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر اپنی کتاب "امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ" میں لکھتی ہیں "اس ایک ورقی رسالے میں شاہ ہمدان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ اور اسناد قلم بند کی ہیں۔" ڈاکٹر صاحبہ نے نہ صرف پورا حلیہ مبارک نقل کیا ہے بلکہ اس کے فضائل بھی نقل کئے ہیں (اردو نثر میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۲۰۲)

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء، پ)

آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۰۵ بتائی جاتی ہے آپ کے مرید محمد علی سامانی نے ان کی تعداد ۳۷ بتائی ہے ان میں، عربی اور فارسی زبانوں کی کتب شامل ہیں۔ آپ نے ”رسالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ تالیف کیا۔ آپ کی دیگر کتب کی طرح یہ رسالہ اب دستیاب نہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۲۲ تا ۱۸۱۰ء)

آپ کا شمار ایک عظیم مفسر، فقیہ، صوفی اور محدث ہونے کے ساتھ ساتھ معروف سیرت نگاروں میں بھی ہوتا ہے۔ نسبی اعتبار سے آپ کا تعلق جلال الدین کبیر اولیاء پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ آپ نے حضرت شاہ محمد عابد سنائی رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر بیعت کی۔ مرشد کے وصال کے بعد حضرت مظہر جان جاناں کی صحبت اختیار کی اسی دوران حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کسب فیض کیا اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا۔ حضرت مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے آپ کو ”علم الہدیٰ“ اور حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ”بیہقی وقت“ کے لقب سے نوازا۔ آپ نے ۵۳ کتب تصنیف کیں جس میں ”تفسیر مظہری“ سب سے زیادہ معروف ہے۔ اس تفسیر میں سیرت سے متعلق مباحث موجود ہیں اس کے علاوہ آپ نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تین مستقل رسائل قلم کئے (۱) شمائل و اخلاق نبوی (۲) رسالہ در نسب اطہر وازواج مبارکہ واولاد عالی گوہر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم (۳) تقدیس والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء، پ)

آپ خاندان صابریہ چشتیہ کے سجادہ نشین حضرت امیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت سے سرفراز ہوئے۔ جہاں آپ نے علمائے فرنگی محل سے اکتساب علم کیا وہیں محسن کاکوروی کی صحبت نے حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ کے فطری رجحان کو جلا بخشی۔ آپ کا شمار حضرت شاہ مینا رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہوتا ہے۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ کا مزار حیدر آباد میں درگاہ یوسف شاہ کے احاطے میں ہے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ نے دو کتب تصنیف کیں (۱) محامد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم (۲) خیابان آفرینش۔ مؤخر الذکر نثر میں میلاد نامہ ہے اس کی تصنیف کا سال ۱۳۰۵ھ ہے اس میں خاص طور پر صحت روایات پر توجہ دی گئی ہے۔ خیابان آفرینش میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم، احوال پیدائش، بیان رضاعت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لڑکپن، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست و تدبر، حلیہ مبارک کے خصائل، نزول وحی، اسلام کا ابتدائی دور، صحابہ کبار اور نجاشی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا، معراج اور ہجرت کے نمایاں موضوعات ہیں آخر میں تین نثری مناجات ہیں۔ ان میں طلب عفو و مغفرت اور اپنے گناہوں پر ندامت و پشیمانی کا اظہار بڑے مؤثر انداز میں کیا گیا ہے۔ (اردو میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۴۵۱)

عنایت شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۵۵ھ)

آپ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے اور حضرت شاہ کلیم اللہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ ۱۱۵۵ھ میں حیدر آباد دکن میں انتقال ہوا۔ نور نامہ فارسی نثر میں تھا جس کو آپ نے ۱۱۱۱ھ / ۱۶۹۹ء میں لکھا۔ اس کا جو نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں ہے وہ در اصل نور نامے کے ترجمہ سے شروع ہوتا ہے۔ ادارہ ادبیات اردو کے نسخے میں ۱۷۵ ابیات سے زائد ہے جس میں شاعر نے سبب تالیف اور نور نامے کے فضائل تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اس نور نامے کے پانچ نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی میں موجود ہیں (اردو میں میلاد نامے، ص ۳۱۹)

صوفیہ کی سیرت نگاری کا منہج و اسلوب:

سیرت نگار جب سیرت نگاری کی سعادت حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے پیش نظر یہ امور رہتے ہیں کہ وہ ملت کے کس طبقے، کس مقصد اور منہج و اسلوب کو بروئے کار لائے گا۔ اگر وہ معدودے چند اہل علم و دانش کے لیے سیرت نگاری کا فریضہ انجام دینے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ محدثانہ، فقیہانہ، ادبی، کلامی اور فلسفیانہ اسلوب و منہج اختیار کرے گا اور اس کی ہئیت مفصل و مطول ہو گی۔ اس کے برعکس اگر وہ عوام الناس اور مشغولیت میں گھرے افراد کی تعلیم و تربیت کے لیے سیرت نگاری کرنا چاہے تو اُسے اس طبقے کی ذہنی و علمی سطح کو مد نظر رکھتے ہوئے مفصل و مطول کی بجائے مختصر سیرت نگاری کا فریضہ سر انجام دینا ہو گا اور علمی اور فنی منہج و اسلوب کی بجائے تالیفی / سوانحی / بیانیہ اسلوب اختیار کرنا ہو گا اس لیے مختصر سیرت نگاری کی جائے گی تا کہ قاری کم وقت اور چند اوراق سے پوری سیرت سے روشناس ہو سکے۔ مختصرات سیرت کی افادیت اجاگر کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں "مختصرات، خلاصوں اور تلخیصات کی صحیح اور نمائندہ وہ کتب ہیں جو چند اوراق پر مشتمل ہیں اور اصلا کتابچے ہیں۔ ان کا دوسرا فنی نام رسالہ / رسائل بھی ہے، کیوں وہ چند اوراق میں کم سے کم عبارت میں پوری سیرت نبوی پیش کر دیتے ہیں" (سیرت نگاری: تعارف، مآخذ، رجحانات، منہج، ص ۱۲۲)

یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا صوفیانہ سیرتی ادب میں مفصل و مطول سیرت کی بجائے مختصر سیرت نگاری کی ہیئت کو اپناتے ہوئے روائتی، تالیفی، سوانحی اور بیانیہ اسلوب و منہج اختیار کیا گیا ہے، تا کہ کم وقت اور کم عبارت میں سیرت کے اصل جوہر کو مریدین اور عوام الناس کو ذہن نشین کرایا جا سکے۔ اس افادیت کے باوجود اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ صوفیانہ مفصل ادب میں مباحث سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو محفوظ ہیں مگر صوفیانہ مختصرات سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے یہی وجہ ہے ان مختصرات کا زیادہ تر ذخیرہ یا تو مفقود ہو چکا ہے یا کتب خانوں کے مخطوطات کی شکل میں مدفون ہو کر رہ گیا ہے تو دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ جدید سیرت نگار جب مختصرات سیرت کو اپنا موضوع تحقیق بناتا ہے تو وہ اس عظیم صوفیانہ مختصرات سیرت کے ذخیرہ سے چشم پوشی کرتا دکھائی دیتا ہے۔

پروفیسر دلاور خان
مدیر اعلیٰ شاہد ریسرچ جرنل

کشف المحجوب میں مباحث سیرت اور سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج واستدلال

ڈاکٹر محمد کریم خان

(لیکچرار، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات)

ڈاکٹر محمد طاہر مصطفیٰ

(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فکر وتہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور)

Abstract:

The esteemed Syyad Abul Hassan Ali Bin-Usman Hajveri(رحمۃ اللہ علیہ) (400 to 465 AD) was a matchless saint and religious scholar, the author of "Kashaf-ul-Mahjoob". He has based argumental on Holy Quran and Ahadith of the Holy Prophet(ﷺ). He corroborates his opinion with the Seerat of the Holy Prophet(ﷺ) and Arabic poetry, stories and personal observation. Hajveri Syyad(رحمۃ اللہ علیہ) has presented several incidents from the life of Holy Prophet(ﷺ).

Keywords: Syyad Abul Hassan Ali Bin-Usman Hajveri, Matchless, Kashaf-ul-Mahjoob, Holy Quran, Seerat

حضرت سید ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (۴۰۰ھ۔۴۶۵ھ) ایک کامل ولی اور متبحر عالم دین تھے، آپ کی تصنیف ''کشف المحجوب'' مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے، یہ کتاب پہلی چار صدیوں کے اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور تعلیمات کا بہترین خزینہ اور خلاصہ ہے، نیز یہ کتاب فارسی زبان اور برصغیر میں تصوف و احسان پر لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب ہے، اس نادر و بے مثل کتاب کو جو مقبولیت و پذیرائی حاصل ہوئی، وہ اس موضوع کی کسی اور فارسی زبان میں لکھی جانے والی کتاب کے حصہ میں نہیں آئی۔ اسی طرح برصغیر کے اولیاء میں سے جو شہرت دوام سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوئی، وہ بھی کسی اور کا مقدر نہ ہوئی، یہ کتاب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شاگرد خاص حضرت ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر لکھی، اس کا اکثر حصہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شہر لاہور میں تحریر کیا، اس کتاب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن، حدیث، سیرت، تفسیر و اصول تفسیر، اصول حدیث، فقہ و اصول فقہ، عربی زبان و ادب منطق و فلسفہ، علم کلام، تاریخ و تصوف اور دیگر علوم و معارف کی ابحاث کو سمویا ہے، آپ نے اس کتاب میں بہت ساری قرآنی آیات، تقریباً ڈیڑھ سو احادیث مبارکہ، دو سو ابحاث سیرت، ستائیس کتب، تین سو مشائخ کے اقوال اور دیگر فنی و عقلی مستدلات سے اپنی تحقیق کو مزین کیا ہے۔ اس کتاب کے تحریر کرنے میں آپ کا منہج یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن و حدیث اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استشہاد کرتے ہیں، پھر اقوال سلف، عربی اشعار، حکایات، ذاتی مشاہدات اور استدلالات کے ساتھ اپنے مؤقف کو واضح کرتے ہیں۔ سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے بیسیوں واقعات کو اپنی اس تصنیف میں بطورِ دلیل ذکر کیا ہے، ان تمام کا احاطہ کرنے کے لیے کئی دفتر درکار ہیں، اس لیے اس مضمون میں صرف چار پہلوؤں (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کے لیے حریص ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زبان کی لغزش کا خوف کھانا، مہمان کا عزت و احترام کرنا اور فقر کو پسند فرمانا) پر اختصار کے ساتھ لکھا جا رہا ہے، اس مضمون میں سیرت طیبہ کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے منہج و اسلوب اور استنباط و استدلال کو بھی بیان کیا جا رہا ہے، تاکہ آپ کے تبحرِ علمی، ملکہ استدلال اور محققانہ طرز استدلال کا پہلو نمایاں ہو سکے۔

۱۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کے لیے حریص ہونا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم کے پھیلاؤ اور تعلیم و تعلم پر بہت حریص تھے، اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

اطلبوا العلم ولو بالصین۔(۱)

علم حاصل کرو اگرچہ تمہیں چین جانا پڑے۔

اس حدیث مبارکہ کو امام بیہقی، امام سخاوی، خطیب بغدادی، امام غزالی اور علامہ ابن عبد البرّ نے روایت کیا ہے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس حدیث کا متن مشہور اور سندیں ضعیف ہیں۔(۲)

حضرت سید ابو الحسن علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف "کشف المحجوب" میں سب سے پہلا باب علم کے بارے میں "باب اثبات العلم" کے عنوان سے قائم کیا ہے۔ حدیث چین کو آپ نے اس باب کے شروع میں ذکر کیا ہے۔ سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان کے تحت ایک تمہید ذکر کی ہے، جس میں علماء وعلم کی فضیلت، حدود اور علم کی تقسیم نافع اور غیر نافع کے طور پر بیان کی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس تمہید میں تین آیات قرآنیہ، پانچ احادیث مبارکہ اور ایک حکایت سلف سے استدلال کیا ہے۔ ان تمام کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ا۔ آیات قرآنیہ:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (۳)

اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّھُمْ وَلَا یَنْفَعُھُمْ (۳)

اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گا اور فائدہ نہ دے گا۔

وَلَمَّا جَآءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ۙ کِتٰبَ اللّٰہِ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ کَاَنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (۵)

اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح اپنے پس پشت پھینک دیا گویا انہیں کچھ علم ہی نہیں ہے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

اللہ تعالیٰ نے برائے نام عالم بے عمل کی، علماء کے زمرہ میں شمولیت کی نفی فرمادی۔ اس لیے کہ سیکھنا، حفظ کرنا اور یادداشت کو محفوظ کرنا، یہ بھی سب کے سب عمل ہی کے قبیل سے ہیں اور اسی عمل

کے ذریعہ ہی سے تو بندہ ثواب کا مستحق بنتا ہے۔ اگر عالم کا علم اس کے اپنے کسب و فعل سے نہ ہو تو وہ کسی ثواب کا حق دار ہی نہیں بن سکتا۔ یہ باتیں یہی دو گروہ کرتے ہیں، ایک تو وہ گروہ جو علم مخلوق میں عزت و مرتبہ اور جاہ و منزلت کے لیے حاصل کرتا ہے اور عمل سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ تو ایسا گروہ یقینا علم سے بے بہرہ ہے کہ وہ عمل کو علم سے جدا کرتا ہے۔ وہ نہ تو علم کی ہی قدر جانتا ہے اور نہ ہی عمل سے واقف ہے۔ یہاں تک کہ بعض جاہل کہہ دیتے ہیں کہ "قال" یعنی علم نہیں چاہیے بلکہ حال یعنی عمل چاہیے اور کوئی نادان یوں کہہ گزرتا ہے کہ عمل چاہیے علم نہ چاہیے یہ دونوں نظریے باطل ہیں۔(۲)

احادیث مبارکہ:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم (۷)

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔" حدیث الباب (۸)

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

واضح رہنا چاہیے کہ علم بے حد و غایت ہے اور عمر بہت مختصر۔ اس لیے تمام علوم کا سیکھنا لوگوں پر فرض نہیں ہے جیسے علم نجوم علم طب، علم حساب اور نادر و عجیب صنعتیں وغیرہ۔ مگر ان میں سے اس قدر سیکھنا جتنا شریعت سے متعلق ہے ضروری ہے۔ مثلاً علم نجوم سے اتنا سیکھنا جس سے رات دن کے اوقات معلوم ہو سکیں، علم طب سے اتنا جو صحت و تندرستی کے لیے ضروری ہو اور علم حساب سے اس قدر کہ جس سے فرائض یعنی میراث وغیرہ کی تقسیم کر سکے۔ پس علم اسی قدر فرض ہے جس پر عمل ہو سکے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ایسے علم کی مذمت فرمائی ہے جو کسی کو نفع نہ پہنچا سکے۔(۹)

اعوذ بك من علم لا ینفع (۱۰)

"اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو۔"

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

باخبر رہنا چاہیے کہ تھوڑے سے علم کے لیے بھی عمل بہت زیادہ درکار ہے لہٰذا ضروری ہے کہ علم، عمل کے ساتھ مقرن و متصل ہو۔(۱۱)

المتعبد بلا فقه کالحمار فی طاحونة (۱۲)

"بغیر علم کے عبادت کرنے والا کولہو کے گرد چکر کاٹنے والے گدھے کی طرح ہے۔"

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

ہر چند کہ وہ گدھا چلتا، دوڑتا اور بھاگتا ہے لیکن وہ اپنی ہی جگہ چکر میں رہتا ہے اور کچھ مسافت طے نہیں کرتا۔ اسی طرح بغیر علم کے عبادت کرنے والا ہے کہ اسے منزل نہیں ملتی۔(۱۳)

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا مشاہدہ:

میں نے عام لوگوں میں ایک گروہ کو دیکھا ہے کہ وہ علم کو عمل پر فضیلت دیتے ہیں اور دوسرے گروہ کو دیکھا ہے کہ وہ عمل کو علم پر فضیلت دینے کا قائل ہے۔ حالانکہ ان دونوں گروہوں کا نظریہ باطل ہے۔ اس لیے کہ بلا علم عمل در حقیقت عمل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عامل تب ہی عمل کرتا ہے جب وہ علم کے ساتھ محفوظ ہو۔ تاکہ بندہ حکم رب جان کر اس پر عمل کرے اور ثواب کا حق دار بنے۔ جیسے نماز، جب تک بندے کو پہلے طہارت کے ارکان کا علم، اسی طرح پانی کی شناخت کا علم، جہت قبلہ کا علم، کیفیت نیت کا علم اور ارکانِ نماز کا علم۔ جب تک ان امور کا علم نہ ہو نماز کیسے ہو گی؟ پس جب بلا علم عمل اسے بے عمل بنا دیتا ہے تو کس طرح جاہل کو اس سے جدا کریں۔ اب رہا اس گروہ کا نظریہ جو علم کو عمل پر فضیلت دیتا ہے۔ تو یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ بے عمل علم حقیقتاً علم ہی نہیں ہو سکتا۔(۱۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

همة العلماء الدراية وهمة السفهاء الرواية (۱۵)

علماء کی ہمت سمجھنا ہے اور ناسمجھوں کی ہمت روایت کرنا ہے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

اس قسم کی اور باتیں جو جہالت کی ہیں، علم کی وجہ سے وہ علماء سے دور ہو جاتی ہیں لیکن وہ شخص جو علم کو دنیاوی عزت و جاہ کی غرض سے حاصل کرے وہ عالم نہیں ہے۔ کیونکہ دنیاوی عزت و جاہ کی خواہش جہالت کے ہی قبیل میں سے ہے، کیونکہ علم سے بڑھ کر کوئی اور مرتبہ ہے ہی نہیں۔ جب اسے علم ہی نہیں تو وہ زبانی لطائف و اسرار کو کیا جائے گا۔ جب وہ علم سے بہرہ ور ہے تو وہ تمام مقامات و شواہد اور درجات و مراتب کا حق دار ہے۔(۱٦)

حکایت:

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے راستہ میں ایک پتھر کو پڑے ہوئے دیکھا۔ اس نے اپنی زبان حال سے کہا کہ مجھے پلٹ کر دیکھو۔ پھر جب میں نے اسے پلٹا تو اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی، ”لا تعمل بما تعلم فكيف تطلب ما لا تعلم “(۱۷) یعنی جب تم اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تو اس کی تلاش کیوں کرتے ہو، جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ یعنی جب تم اپنے علم پر عمل نہیں کر سکے تو اب یہ محال ہے کہ نادانستہ کو طلب کر سکو۔ مطلب یہ کہ پہلے اپنے علم پر عمل کرو تاکہ اس کے بعد اس کی برکت سے نامعلوم کو جان سکو۔(۱۸)

حدیث چین پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تبصرہ:

اس حدیث مبارکہ کے بارے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ایک اور چیز ہے جس کی صحت کے متعلق ہمارے محدثین ٹیکنیکل نقطہ نظر سے اعتراض کریں گے لیکن بہر حال وہ بھی اثر انگیز چیز ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ”علم سیکھو چاہے وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو“ عقلی اور تاریخی نقطہ نظر سے مجھے اس پر اعتراض کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ بہر حال اس سلسلے میں پہلا سوال ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چین کا علم کیسے ہوا؟ جب کہ عرب ایشیا کے انتہائی مغرب میں ہے اور چین ایشیا کے انتہائی مشرق میں ہے اور ان دونوں ممالک میں کسی طرح کا کوئی ربط یا تعلق نظر نہیں آتا۔ ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے علم ہوا کہ چین میں علوم و فنون پائے جاتے ہیں؟ سوال معقول ہے لیکن اگر ہمارا مطالعہ ذرا وسیع ہو اور ہمیں اپنی علمی میراث سے ذرا زیادہ واقفیت ہو، تو پھر یہ سوال باقی نہیں رہتا، بلکہ خود بخود حل ہو جاتا ہے مثلاً ”مسعودی“ کی کتاب ”مروج الذهب“ کے نام سے ہمارا ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اسلام سے پہلے چینی تاجر عمان تک آتے تھے، بلکہ عمان سے آگے، ابلہ یعنی بصرہ تک بھی پہنچتے تھے اور یوں یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ اس زمانے میں عربوں کے لیے چین اور چینی اجنبی نہیں تھے۔ اس سے بھی زیادہ قابل غور واقعہ ایک اور ہے کہ محمد بن حبیب البغدادی نے جو ابن قتیبہ کا بھی استاد ہے، اپنی کتاب ”المجزر“ میں لکھا ہے کہ ہر سال فلاں مہینے میں ”دبا“ نامی مقام پر ایک میلہ لگتا تھا، جس میں شرکت کے لیے سمندر پار سے بھی لوگ آیا کرتے تھے، ان لوگوں میں ایرانی بھی ہوتے تھے، چینی بھی، ہندی اور سندھی بھی، مشرقی لوگ بھی اور مغربی لوگ

بھی۔ دبا کی اہمیت کے سلسلے میں ایک چھوٹا سا واقعہ آپ کو یاد دلاؤں۔ جب عمان کا علاقہ اسلام قبول کرتا ہے، تو عمان میں ایک گورنر ہوتا ہے، اس کے علاوہ آنحضرت محمد ﷺ ایک اور گورنر کا تقرر صرف بندرگاہ کے امور کے لیے فرماتے ہیں۔ اس سے اس مقام کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ غالباً اس انٹرنیشنل میلے کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہوں گے، تجارتی جھگڑے، کاروباری معاملات وغیرہ، اس لیے عہد نبوی ﷺ میں خصوصی افسر کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ان دو واقعات کے بعد مسند احمد بن حنبل پر نظر ڈالتے ہیں۔ جس کے بعد ہمیں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ رسول اللہ ﷺ کی ان چینیوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں ذکر کر چکا ہوں کہ مسعودی کے بیان کے مطابق چینی تاجر اپنے جہازوں میں سمندری راستے سے عمان کے علاوہ ابلہ یعنی بصرہ تک جاتے تھے۔ اس دوسری روایت میں آپ دیکھ چکے ہیں "با" نامی بندرگاہ میں جو جزیرہ نمائے عرب کی دو سب سے بڑی بندرگاہوں میں سے ایک بندرگاہ تھی، ہر سال میلہ لگتا تھا، وہاں ہر سال چینی لوگ آتے تھے۔ ان دو چیزوں کو ذہن میں رکھ کر مسند احمد بن حنبل کو پڑھیں۔ اس میں لکھا ہے کہ قبیلہ عبد القیس کے لوگ جو عمان و بحرین میں رہتے تھے، مدینہ آئے اور اسلام قبول کیا۔ ایک چھوٹی سی چیز پر آپ کی توجہ منعطف کراتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس میں بحرین کا جو لفظ آیا ہے، اس روایت میں اس سے مراد وہ جزیزہ نہیں جسے ہم آج کل بحرین کہتے ہیں، جو جزیزہ نمائے عرب میں خلیج فارس کے اندر واقع ہے۔ اس زمانے میں اس جزیرہ کا نام "اوال" تھا اور بحرین کا لفظ اس علاقے کو ظاہر کرتا تھا، جسے آج کل ہم "الاحساء" اور "القطیف" کا نام دیتے ہیں۔ بہر حال اس میں لکھا ہے کہ بحرین کے لوگ جن کا نام قبیلہ عبد القیس ہے، اسلام لانے کے لیے مدینہ آتے ہیں۔ اس روایت میں اس بات کی بھی تفصیل ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے کچھ سوالات کیے۔ مثلاً فلاں شخص ابھی زندہ ہے؟ یا کیا فلاں سردار ابھی زندہ ہے؟ فلاں مقام کا کیا حال ہے؟ آپ ﷺ کے ان سوالات کو سن کر وہ لوگ حیرت سے پوچھتے ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ تو ہم میں سے زیادہ ہمارے ملک شہروں اور باشندوں سے واقف ہیں۔ یہ کیسے ہوا؟ ان لوگوں کے اس سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میرے پاؤں تمہارے ملک کو بہت عرصے تک روندتے رہے ہیں۔" دوسرے لفظوں میں وہاں بہت دنوں تک مقیم رہا ہوں۔ اس صراحت کے بعد ہمیں شبہ نہیں رہتا کہ رسول اللہ ﷺ غالباً شادی کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت لے کر نہ صرف شام جاتے تھے، جس کی صراحتیں

موجود ہیں بلکہ مشرق عرب کو بھی جاتے تھے تاکہ "دبا" کے میلے میں شرکت کر سکیں اور کوئی تعجب نہیں آپ ﷺ نے یہیں پر چینی تاجروں کو بھی دیکھا ہو اور ممکن ہے ان سے کچھ گفتگو بھی کی ہو۔ کیونکہ اگر چینی وہاں آیا کرتے تھے تو انہیں کچھ ٹوٹی پھوٹی عربی آجانی چاہیے۔ اس کے علاوہ وہاں پر یقینا ایسے مترجم ہوتے ہوں گے جو چینی اور عربی دونوں زبانیں جانتے ہوں۔ بہر حال اس کا امکان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان چینیوں سے ملاقات کی اور میرا گمان ہے کہ ان کے ریشمی سامان پر خاص کر آپ ﷺ کی توجہ ہوئی ہو گی، کیونکہ چین کا ریشم نہایت ہی مشہور چیز تھی، ممکن ہے کہ ان کی صنعت و حرفت کے متعلق آپ ﷺ نے بہت ہی اچھا تاثر لیا ہو، اور ان سے پوچھا ہو کہ تمہارے ملک سے یہاں تک آنے میں کتنے دن لگتے ہیں۔ تو مثلاً انہوں نے کہا ہو کہ چھ مہینے لگتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک اندازہ قائم کرنے کے لیے یہ کافی تھا اور اس روشنی میں اب اس حدیث کو پڑھئے "علم سیکھو چاہے چین ہی جانا پڑے" (جو تمہارے لیے دنیا کا بعید ترین ملک ہے) کیونکہ علم کا سیکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔(۱۹)

۲۔ آپ ﷺ کا زبان کی لغزش کا خوف کھانا:

آپ ﷺ ہر بات غور و فکر اور تدبر سے فرماتے تھے اور دوسروں کو زبان کی حفاظت کی اکثر تلقین فرماتے تھے، اس بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

أخوف ما أخاف علی امتی اللسان (۲۰)

مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ اندیشہ زبان کا ہے۔

امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

عن سفیان بن عبداللہ الثقفی قال: قلت یا رسول اللہ ﷺ حدثنی بأمر اعتصم به قال قل ربی اللہ ثم استقم قال قلت یا رسول اللہ ﷺ ما أخوف ماتخاف علی؟ فأخذ بلسان نفسه ثم قال: هذا (۲۱)

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کسی ایسے کام کا حکم دیجیے، جسے میں مضبوطی سے تھام لوں۔ فرمایا: کہ میرا رب اللہ ہے، پھر اس پر ثابت قدم

رہ۔ عرض کیا: آپ کو میرے بارے میں زیادہ خوف کس چیز کا ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑا پھر فرمایا: ”اس کا“

اس حدیث مبارکہ سے ائمہ دین نے حسب ذیل مسائل کا استنباط کیا ہے:

★ بات کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے۔

★ بغیر تفکر و تدبر کے کی ہوئی بات سے بعض دفعہ بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔(۲۲)

★ کسی لفظ کو زبان پر لانے سے پہلے عواقب پر غور وفکر کرنا چاہے۔

★ جس بات سے نقصان ہو وہ نہ کرنا بہتر ہے۔(۲۳)

★ زبان کی حفاظت کرنی چاہیے۔(۲۴)

★ اسلام میں فحش اور برائی والا کلام جائز نہیں ہے۔(۲۵)

★ انسان جس کلام کے حسن وقباحت سے واقف نہ ہو اسے زبان پر نہ لائے۔(۲۶)

★ زبان سے اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے۔(۲۷)

★ اچھی بات کرنے سے دل کی صفائی و پاکیزگی میں اضافہ ہوتا ہے۔(۲۸)

★ مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔(۲۹)

★ جس کو اللہ تعالیٰ نے زبان کی برائی سے بچالیا وہ جنت میں جائے گا۔(۳۰)

★ انسان کی سلامتی زبان کی سلامتی میں ہے۔(۳۱)

★ گفتگو شراب کی مانند ہے جس سے عقل مدہوش ہوتی ہے جب آدمی اس کے پینے یعنی باتیں کرنے میں پڑ جائے تو اس سے اس کا نکلنا بھی دشوار ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو اس سے بچا بھی نہیں سکتا۔ چونکہ اہل طریقت کو معلوم ہے کہ گفتگو آفت ہے اس لیے بجز انتہائی ضرورت کے کلام نہیں کرتے۔(۳۲)

سید ہجویر کا منہج:

سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کو ”باب آدابھم فی الکلام والسکوت“ کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے، اس بحث میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دس آیات مبارکہ، دو احادیث طیبات، دو حکایات اور ایک عربی شعر سے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے۔ ان سب کی تفصیل درج ذیل ہے:

آیات قرآنیہ:

۱۔و من احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین۔(۳۳)

اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے بے شک میں (اللہ اور رسول ﷺ) کے متبعین میں سے ہوں۔

۲۔قول معروف و مغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعھا اذی(۳۴)

اچھی بات کہنا اور در گزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو۔

۳۔قولوا آمنا باللہ وما انزل علینا(۳۵)

تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا۔

۴۔ ولقد کرمنا بنی آدم و حملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا(۳۶)

اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (شہروں، صحراؤں، سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ان کو اپنی بہت سی مخلوق سے افضل کیا۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

یک قول مفسران اندریں معنی نطق است پس ہرچند کہ گفتار از حق ببندہ نعمتی ظاہر است آفت آن نیزبزرگست (۳۷)

مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بولنے کی طاقت عطا کرنا ہے، لہذا اگر چہ حق تعالیٰ کی طرف سے گویائی بندوں کے لیے واضح نعمت ہے لیکن اس کی آفت بھی بہت بڑی ہے۔

۵۔أم یحسبون أنا لا نسمع سرھم ونجوھم بلی ورسلنا لدیھم یکتبون(۳۸)

کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور ان کی سرگوشیاں نہیں سنتے، کیوں نہیں (ضرور سنتے ہیں) اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے بھی ان کے پاس لکھ رہے ہوتے ہیں۔

۶۔وأما بنعمۃ ربك فحدث(۳۹)

اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

۷۔ادعونی استجب لکم (۴۰)

مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

۸۔اجیب دعوۃ الداع اذا دعان (۴۱)

میں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے۔

۹-۱۰- چنانچه ابلیس بگفت انا خیر منه (۴۲) تادیدن آنچه دید و چون آدم را بگویانیدند ربنا ظلمنا انفسنا (۴۳) گفت تا مش برگزیدند (۴۴)

چنانچہ ابلیس نے کہا کہ میں آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں اور حضرت آدم علیہ السلام سے یوں کہلوایا گیا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

احادیث مبارکہ:

۱۔ من صمت نجا (۴۵)

جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔

۲۔ حدیث الباب

اقوال سلف:

۱۔ جو بنیاد گفتگو پر رکھتا ہے وہ زبان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور جو بنیاد مشاھدہ پر رکھتا ہے تو وہ اپنے اور رب کے درمیان گفتگو سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔(۴۶)

۲۔ جس نے حق تعالیٰ کو دل سے پہچانا اس کی زبان بیان سے عاجز ہو گئی۔(۴۷)

۳۔ اس لیے کہ جو بولتا ہے وہ یا تو درست ہو گا یا غلط اور جو بلوایا جاتا ہے، اسے خطا و خلل سے بچایا جاتا ہے۔(۴۸)

۴۔ جس کے لیے خاموشی حیا ہو اس کا کلام زندگی ہوتا ہے۔(۴۹)

شعر:

لسان الحال افصح من لسانی وصمتی عن سؤالی ترجمانی (۵۰)

میری زبان سے زیادہ واضح میرے حال کی زبان ہے اور میرے سوال کی وضاحت میری خاموشی کر رہی ہے۔

حکایات:

حضرت شبلی کا واقعہ ہے کہ انہوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کھڑے ہو کر نعرہ مارا "یا مرادی" اور حق تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے ابو بکر اگر تمہاری مراد حق ہے تو یہ اشارہ کیوں؟ کیونکہ وہ اس سے بے نیاز ہے اور اگر تمہاری مراد حق نہیں ہے تو تم نے خلاف کیوں کیا؟ کیونکہ حق تعالیٰ تمہارے قول کے بموجب علیم جاننے والا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام پر استغفار کیا۔(۵۱)

ایک حکایت میں ہے کہ ایک روز حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے کرخ تشریف لے گئے انہوں نے ایک مدعی کو یہ کہتے دیکھا "خاموشی کلام سے بہتر ہے تو شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تیری خاموشی تیرے کلام سے بہتر ہے اور میرا کلام میری خاموشی سے بہتر ہے۔ کیونکہ تیرا کلام لغو اور تیرا سکوت ھزل ہے جبکہ میرا کلام میرے سکوت سے بہتر ہے کیونکہ میری خاموشی علم ہے اور میرا کلام علم ہے۔"(۵۲)

سبق:

میں یعنی علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ کلام بھی دو طرح کا ہوتا ہے اور خاموشی بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک کلام حق اور ایک کلام باطل۔ اسی طرح ایک سکوت مقصود و مشاہدہ کے حاصل ہونے کے بعد اور ایک غفلت کی بناء پر۔ لہذا ہر شخص بولنے اور خاموش رہنے کی حالت میں اپنے گریبان میں جھانک کر غور کرے۔ اگر اس کا بولنا حق ہے تو اس کا بولنا اس کی خاموشی سے بہتر اور اگر اس کا بولنا باطل ہے تو اس کی خاموشی بولنے سے بہتر ہے اور اگر خاموشی حجاب و غفلت کی بناء پر ہو تو بولنا خاموشی سے بہتر ہے۔(۵۳)

۳۔ مہمان کا عزت و احترام کرنا:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے مہمان نواز تھے اور اپنے پاس آنے والوں کے احترام کا خصوصی خیال رکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اذا أتاکم کریم قوم فأکرموہ۔(۵۴)

جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز فرد آئے تو اس کی عزت و احترام کرو۔

اس حدیث مبارکہ سے علماء کرام نے حسب ذیل مسائل و نصائح کا استنباط کیا ہے:

★ مہمان کی عزت و احترام کرنا دینی، ملی اور اخلاقی فریضہ ہے۔

★ آپ ﷺ معزز مہمان کے لیے خاص اہتمام فرماتے اور ان کے لیے اپنی چادر بچھاتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے(۵۵)

★ مہمانوں کی عزت و تکریم نہ کرنا خدا کی رحمت سے دوری کا سبب ہے(۵۶)

★ مہمان نوازی اچھے طریقہ پر کرنا انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے(۵۷)

★ مہمانوں سے بدسلوکی کرنا خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے(۵۸)

★ مہمان کے سامنے میزبان سے بھی بدسلوکی نہ کی جائے(۵۹)

★ مہمان کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنے پر اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور اس سے ناراضگی کے اظہار پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔(۲۰)

★ مہمان کی عزت میزبان کی عزت اور مہمان کی بے عزتی میزبان کی بے عزتی ہے(۶۱)

★ مہمان خدا کی رحمت ہے(۶۲)

★ دل میں سب سے پہلے جو خیال آئے وہ جود ہے اور جب اس پر دوسرا خیال غالب آئے تو وہ بخل کی علامت ہے اور اہل تحقیق نے دل کے پہلے خیال کو بہت بلند جانا ہے۔ کیونکہ بلاشبہ پہلا خیال حق تعالیٰ کی جانب سے ہے(۶۳)

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مبارکہ باب الجود والسخاوۃ کی بحث میں ذکر کی ہے۔ اس بحث میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ احادیث مبارکہ، چھ حکایات سلف اور ایک قول سلف سے اپنے مؤقف پر استدلال کیا ہے۔ یہاں پر دو احادیث اور ایک حکایت نقل کی جاتی ہے:

دو احادیث مبارکہ جو مہمان کی عزت و احترام کے حوالے سے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک کہ کوئی مہمان نہ آجاتا۔ ایک مرتبہ تین روز گزر گئے کوئی مہمان نہ آیا۔ اتفاقاً کسی کافر کا آپ کے دروازہ سے گزر ہوا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اسی پر اللہ تعالیٰ نے آپ سے باز پرس فرمائی اور فرمایا: اے خلیل! جسے میں نے ستر سال تک پالا تم نے اسے ایک روٹی تک نہ دی۔ اب حبیب علیہ السلام کا حال دیکھو کہ جب حاتم کا لڑکا حضور ﷺ کی بارگاہ میں آیا تو آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک اس کے نیچے بچھائی اور فرمایا:

اذا أتا کم کریم قوم فأکرموہ ''جب تمہارے پاس کسی قوم کا عزت والا آئے تو اس کا اکرام کرو۔'' (۶۴)

حکایت:

حضرت شیخ ابو مسلم فارسی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کا قصد کیا، ''حلوان'' کے نواح میں قوم کردنے ہماری راہ روک لی اور انہوں نے ہمارے سب کے کپڑے چھین لئے، ہم نے بھی ان سے کوئی جھگڑا نہیں کیا۔ ہم نے ان کی خوشی، اسی ہی میں سمجھی لیکن ہم میں ایک شخص ایسا تھا، جو بے قراری کا اظہار کر رہا تھا، ایک کردی نے تلوار سونت کر اسے مار ڈالنے کا ارادہ کیا، ہم سب نے مل کر اس کی سفارش کی۔ اس کردی نے کہا کہ یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اس جھوٹے کو زندہ چھوڑیں۔ یقیناً ہمیں اسے مار ڈالنا چاہیے۔ ہم نے اس کے مارنے کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ یہ صوفی نہیں ہے کہ یہ اولیاء کی صحبت میں خیانت کرتا ہے، ایسے شخص کو ناپید کر دینا بہتر ہے۔ ہم نے کہا: یہ تم کیسے کہتے ہو؟ اس نے کہا: اس لیے کہ صوفیوں کا سب سے چھوٹا درجہ ''جود'' ہے۔ اور یہ شخص چند پھٹے پرانے کپڑوں پر بے صبر ہے، یہ کیسے صوفی ہو سکتا ہے، جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنا جھگڑتا ہے۔ حالانکہ ہم برسوں سے اس کام کو کر رہے ہیں، اور تمہارا رستہ روک رہے ہیں، اور تمہارے تعلقات کو منقطع کر رہے ہیں۔ مگر تم کبھی رنجیدہ خاطر نہیں ہوتے۔ (۶۵)

۴۔ فقر کو پسند فرمانا:

آقا کریم ﷺ فقر اور فقیر کو پسند فرماتے تھے، اس بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

اللھم أحینی مسکینا و أمتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین۔ (۶۶)

اے میرے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ، مسکینی کی حالت میں موت عطا فرما اور روز قیامت مجھے مسکینوں کے گروہ میں اٹھانا۔

یہ حدیث مبارکہ جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں انہی الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔(٦٧)

آئمہ سلف و خلف نے اس حدیث مبارکہ سے درج ذیل مسائل کا استنباط کیا ہے:

★ آقا کریم ﷺ کو مسکینوں سے محبت ہے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم بھی مساکین سے محبت کرتے ہیں۔(٦٨)

★ مؤمن فقیر، غنی سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائے گا(٦٩)

★ قیامت کے دن اللہ تعالی کے سب سے زیادہ قریب مسکین ہوں گے(٧٠)

★ مسکین و یتیم اور فقیر کی ہر حال میں مدد کرنی چاہیے(٧١)

★ نبی کریم ﷺ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ بندہ فقر کی طرف مائل ہو(٧٢)

★ اللہ تعالیٰ مؤمن فقیر سے محبت کرتا ہے(٧٣)

★ مسکین کا خیال نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے(٧٤)

★ جو مساکین، یتیم فقراء اور دوسرے ضعیف لوگوں کا خیال رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو پسند فرماتا ہے۔(٧٥)

★ ہمیں اپنے اردگرد کے ماحول میں مساکین، غرباء، فقراء اور دوسرے حاجت مندوں کی خدمت کرنی چاہیے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مبارکہ باب ”در بیان فقر“ میں بیان کی ہے۔ اس بحث میں سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ آیات قرآنیہ، تین احادیث مبارکہ، گیارہ اقوال سلف اور ایک حکایت سے فقر کے موضوع پر استدلال کیا ہے، ان تمام کی تفصیل درج ذیل ہے:

آیات قرآنیہ:

١۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِينَ أُحْصِرُواْ فِي سَبِيلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔(٧٦)

ان فقیروں کے لیے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے، نادان انہیں تونگر (امیر) خیال کرتا ہے بوجہ ان کے نہ سوال کرنے کے۔

۲۔ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبۡدًا مَّمۡلُوۡکًا لَّا یَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ۔(۷۷)

اللہ نے ایک کہاوت بیان فرمائی کہ ایک بندہ ہے جو مملوک ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔

۳۔تَتَجَافٰی جُنُوۡبُہُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا۔(۷۸)

ان کی کروٹیں جدا ہوتی ہیں خواب گاہوں سے اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور امید کرتے۔

۴۔وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ۔(۷۹)

اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے ہوئے۔

۵۔وَلَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡہُمۡ تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا۔(۸۰)

اور نہ پلٹیں آپ کی نگاہیں ان سے۔کیا آپ چاہتے ہیں دنیوی زندگی کی زینت؟

احادیث مبارکہ:

ا۔ادنوا منی احبائی فیقول الملئکة من احباءك فیقول اللہ فقراء المساكین۔(۸۱)

میرے محبوبوں کو میرے قریب کرو۔فرشتے عرض کریں گے کون تیرے محبوب ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ مسکین فقراء ہیں۔

۲۔الفقر عز لاھلہ۔(۸۲)

فقر اپنے اہل کیلئے باعث عزت ہے۔

۳۔حدیث الباب

حکایت:

ایک درویش کی کسی بادشاہ سے ملاقات ہو گئی۔بادشاہ نے کہا مجھ سے اپنی کوئی حاجت مانگو۔اس نے جواب دیا کہ میں اپنے غلام سے کچھ نہیں مانگتا۔بادشاہ نے پوچھا۔یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔کہا میرے دو غلام ہیں۔یہ دونوں تیرے آقا ہیں ایک حرص اور دوسرا امید و تمنا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الفقر عزلأهله (فقر اس کے اہل کے لیے موجب عزت ہے) پس جو چیز اہل کے لیے موجب عزت ہوتی ہے وہ نا اہل کے لیے باعث ذلت بن جاتی ہے۔ فقیر کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے اعضاء کو ذلیل حرکتوں سے بچائے اور اپنے حال کو خلل سے محفوظ رکھے۔ نہ بدن معصیت دلغزش میں پڑے اور نہ خلل و آفت اپنی جان پر راہ پائے چونکہ اس کی ظاہری حالت ظاہری نعمتوں میں مستغرق ہو اور اس کا باطن باطنی نعمتوں سے آراستہ ہو۔ تاکہ اس کا جسم روحانیت او اس کا دل ربانی انوار کا منبع ہو۔ نہ خلق کا اس سے علاقہ ہو اور نہ آدمیت کی اس سے نسبت ہو۔ یہاں تک کہ وہ خلق سے علاقہ رکھنے اور آدمیت کی نسبت رکھنے سے بے نیاز و فقیر ہو اور اس جہاں کی ملکیت اور آخرت میں درجات کی خواہش سے دل کو تونگر نہ کرے اور جانے کہ دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑا میں مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے۔ (جب فقر کی یہ حالت ہوگئی) تو اس کا ایک سانس بھی دونوں جہان میں سما نہیں سکتا۔ (۸۳)

اقوال سلف:

فقر اور فقیر کی تعریف و کیفیت کے بارے میں آپ نے گیارہ اقوالِ سلف ذکر کیے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ فقیر وہ ہے کہ اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور کوئی شے اسے خلل میں مبتلا نہ کرے، نہ وہ دنیاوی اسباب کے ہونے سے غنی ہو اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو۔ اسباب کا ہونا یا نہ ہونا اس کے فقر کے نزدیک یکساں ہو۔ (۸۴)

۲۔ فقیر وہ نہیں جس کے پاس ساز و سامان نہ ہو۔ بلکہ فقیر وہ ہے جس کا دل آرزوؤں اور تمناؤں سے خالی ہو۔ (۸۵)

۳۔ فقر کی علامت فقر کے چلے جانے سے ڈرنا ہے۔ (۸۶)

۴۔ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے اسرار کی حفاظت کرے، اپنے نفس کو بچائے اور اس کے فریضہ کو ادا کرے۔ (۸۷)

۵۔ سب سے افضل مقام یہ ہے کہ فقر پر صبر کو مضبوطی سے تھامے۔ (۸۸)

۶۔ فقیر وہ ہے جو اللہ کے سوا آرام نہیں پاتا (۸۹)

۷۔ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ نہ ہونے کے وقت خاموش رہے، جب پاس ہو تو خرچ کرے اور جب موجود ہو تو پریشان رہے۔(۹۰)

۸۔ ہر شکل وصورت سے دل کا خالی کرنا فقر ہے(۹۱)

۹۔ فقر بلا کا سمندر ہے اور تمام بلائیں عزت ہیں(۹۲)

۱۰۔ اے گروہ فقراء! تم کو لوگ خدا کے ساتھ باخدا پہچانتے ہیں اور اس کی خاطر تمہاری توقیر کرتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ جب تم خلوت میں اس کے ساتھ ہو تو کیا کیفیت ہوتی ہے۔(۹۳)

۱۱۔ بغیر وجود کے عدم کا نام کفر ہے۔(۹۴)

حوالہ جات وتعلیقات

۱۔ ہجویری علی بن عثمان، داتا گنج بخش ابوالحسن، کشف المحجوب، باب اثبات العلم ،لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء، ص:۱۲

۲۔i۔ خالق داد ملک/طاہر رضا بخاری، الزاد المطلوب بتخریج احادیث کشف المحجوب، محکمہ مذہبی امور و اوقاف پنجاب، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء، ص:۴۵

ii۔سخاوی، محمد بن عبد الرحمن، ابوالخیر، المقاصد الحسنة، بیروت: دار الکتب العلمیة، ط۱، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، ص:۱۲۵

iii۔شوکانی محمد بن علی، الفوائد المجموعة مصر: مطبعة السنة المحمدیة، ۱۳۸۰، ص:۲۷۲

iv۔ غزالی محمد، ابو حامد، احیاء علوم الدین، بیروت: دار الکتاب العربی، ط۱، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء، ۱/۱۶۔۳۳۔

۳۔ الفاطر:۲۸

۴۔ البقرہ:۱۰۲

۵۔ البقرہ:۱۰۱

۶۔ کشف المحجوب، باب اثبات العلم ہی:۱۲-۱۳

۷۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، القزوینی، سنن ابن ماجہ، المقدمة، رقم ۲۲۴، بیروت، لبنان: دار المعرفة، ط ۱، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء، ۱/۹۷

۸۔ سخاوی، محمد بن عبد الرحمن، ابوالخیر، المقاصد الحسنة، بیروت: دار الکتب العلمیة، ط۱، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، ص: ۱۲۵

۹۔ کشف المحجوب ص:۱۲

۱۰۔ ابن حنبل، احمد، امام ابو عبد اللہ، المسند، مصر: المطبعة المیمنیة، ۱۳۰۶ھ، ۳/۲۸۳

۱۱۔ کشف المحجوب ص:۱۲

۱۲۔ شوکانی محمد بن علی، الفوائد المجموعة مصر: مطبعة السنة المحمدیة، ۱۳۸۰، ص:۲۹۰

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ کشف المحجوب، ص:۱۲۔۱۳

۱۵۔ کشف المحجوب، ص:۱۳

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ایضاً۔

۱۸۔ کشف المحجوب ص:۱۴

۱۹۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، خطبات بہاولپور، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ط۷، ۲۰۰۷ء، ص:۲۶۲-۲۶۴

۲۰۔ کشف المحجوب، ص:۳۰۹

۲۱۔ ترمذی، محمد بن عیسی، ابو عیسی، الجامع الترمذی، بیروت: مطبوعہ دار المعرفۃ، ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ء، ص:۹۴۶۔ ۹۴۷

۲۲۔ عینی محمد بن احمد، ابو محمد بدر الدین، عمدۃ القاری، لاہور: مکتبہ رشیدیہ، ۱۵ / ۵۵۳

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ عسقلانی، احمد بن علی، ابن حجر، فتح الباری، بیروت: دار الکتب العلمیہ ط۱، ۱۴۲۴ / ۲۰۰۳، ۱۱ / ۳۰۹

۲۵۔ ایضاً، ص:۳۱۱

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ مسلم، ابن حجاج، ابو الحسین قشیری، صحیح مسلم، الزکاۃ، رقم ۵۰-۲۳۴۹، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ط۱، ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء، ص:۸۳۸

۲۸۔ عمدۃ القاری، ج۶، ص:۳۷۵

۲۹۔ مسلم، الایمان، رقم ۱۶۲، ص:۴۶

۳۰۔ ترمذی، الزھد، رقم ۲۴۰۹، ص:۴۶

۳۱۔ ایضاً، رقم ۲۴۰۶، ص:۹۴۵

۳۲۔ کشف المحجوب، ص:۳۰۹۔۳۱۰

۳۳۔ حٰم السجدۃ:۳۳

۳۴۔ البقرۃ:۲۶۳

۳۵۔ البقرۃ:۱۳۶

۳۶۔ بنی اسرائیل:۷۰

۳۷۔ کشف المحجوب، ص:۳۰۹

۳۸۔ الزخرف:۸۰

۳۹۔ الضحیٰ:۱۱

۴۰۔ المؤمن:۶۰

۴۱۔ البقرۃ:۱۸۶

۴۲۔ ۳۸:۷۶

۴۳۔ الاعراف ۷:۲۳

۴۴۔ کشف المحجوب میں:۳۱۱

۴۵۔ کشف المحجوب، ص:۳۱۰

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ ایضاً، ص:۳۱۱

۴۸۔ ایضاً

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ کشف المحجوب، ص:۳۱۰

۵۱۔ ایضاً، ص:۳۱۱

۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ کشف المحجوب، ص:۲۷۷

۵۴۔ i ۔ کشف المحجوب، ص:۲۷۷

ii ۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابو عبد اللہ، سنن ابن ماجہ: ۳۷۱۲، ریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، ط۳، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء

iii۔ حاکم، محمد بن عبد اللہ، ابو عبد اللہ نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، بیروت: مطبوعہ دار المعرفۃ، ط۲، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء، ۲۹۲/۴

iv۔ بیہقی، احمد بن حسین، ابو بکر، السنن الکبریٰ، حیدر آباد دکن: مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، ط۱، ۱۳۴۴ھ، ۱۶۸/۸

v۔ طبرانی سلیمان بن احمد، ابو القاسم، المعجم الکبیر، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۳۷۰/۲

iv۔ ہیثمی، علی بن ابی بکر، نور الدین، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۹۶۷ء، ۱۵/۸

۵۵۔ السنن الکبری، ۱۶۸/۸

۵۶۔ الکھف:۷۷

۵۷۔ الحجر:۵۱

۵۸۔ القمر:۳۷

۵۹۔ ھود:۷۸

۶۰۔ المستدرک علی الصحیحین، رقم ۶۲۹۲، ۴/ ۶۷۴

۶۱۔ الحجر:۶۸

۶۲۔ متدرک حاکم معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم، رقم ۶۲۹۲، ۴/ ۶۷۴

۶۳۔ کشف المحجوب، ص:۲۷۷

۶۴۔ کشف المحجوب، ص:۲۷۶

۶۵۔ ایضاً، ص:۲۷۷۔۲۷۸

۶۶۔ کشف المحجوب، ص:۱۹، ۴۹

۶۷۔ (i)۔ ترمذی، الزہد، رقم ۲۳۵۲، ص:۹۲۹

(ii)۔ ابن ماجہ، الزہد، رقم ۴۱۲۶، ۴/ ۶۸۶

۶۸۔ الشوکانی، الفوائد المجموعۃ، ص:۲۴۰

۶۹۔ ابن ماجہ، الزھد، رقم ۴۱۲۲، ۴/ ص ۶۷۵

۷۰۔ ترمذی، الزھد، رقم ۲۳۵۲، ص ۹۲۹

۷۱۔ ایضاً

۷۲۔ ایضا، رقم ۲۳۵۰

۷۳۔ ابن ماجہ، الزھد، رقم ۴۱۲۱، ۴/ ۶۷۵

۷۴۔ الماعون:۳

۷۵۔ الدھر:۸

۷۶۔ البقرۃ:۲۷۳

۷۷۔ النحل:۷۵

۷۸۔ السجدۃ:۱۶

۷۹۔ الانعام:۵۲

۸۰۔ الکھف:۲۸

۸۱۔ زبیدی محمد بن محمد، اتحاف السادۃ المتقین، بیروت: مطبوعہ دار الفکر، ۲۷۸/۹

۸۲۔ احیاء علوم الدین، ۴۵/۵

۸۳۔ کشف المحجوب، ص:۲۰

۸۴۔ کشف المحجوب ص:۲۰

۸۵۔ ایضاً، ص:۲۳

۸۶۔ ایضاً، ص۲۴

۸۷۔ ایضاً

۸۸۔ ایضاً

۸۹۔ کشف المحجوب، ص:۲۴

۹۰۔ ایضاً، ص:۲۵

۹۱۔ ایضاً

۹۲۔ ایضاً

۹۳۔ ایضاً

۹۴۔ ایضاً، ص:۲۶

شعورِ نبوت میں صوفیہ کا کردار

حسن بیگ
(لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد، ساہیوال کیمپس)
ڈاکٹر نعیم محسن
(ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ ایجوکیشن، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد)

Abstract:

Allah Almighty sent a large number of prophets for the guidance of mankind. All these prophets rectified human beings and taught them the ways of worship. A group of pious men inspired by prophets became the symbols of piety, righteousness, courage and patience. In Islamic history, these pious men are considered the first group of saints. The ultimate gain of obedience lies in the Sunnah of Hazrat Muhammad(ﷺ) and in the sagacity and insight of Prophet- Hood. The Quran and the Sunnah are the methodology that these saints adopted and spread the invitation to virtue to every nook and corner of the world. The saints cultivated the recognition of Allah among people which leads to the worship of Allah, the ultimate goal. The obedience to prophet Muhammad (PUBH) is the real essence of Imaan and, the saints are the emblems of spirituality by vistue of the practice of Sunnah. Their teachings brought a spiritual revolution in their material lives and it had long lasting effects.

Keywords: Guidance, Ameliorates, Righteousness, Sagacity, Emblems of Spirituality, Ultimate goal, Imaan

اخلاقی شان اور عدل و احسان کی جس روایت سے انسانی تاریخ بنتی اور نمو پاتی ہے۔ اس روایت کا تعلق ہدایت الٰہی اور سلسلہ نبوت سے مربوط ہے۔ ہر چند کہ انسانوں کی سی شکلیں رکھنے والے لوگ اس کرہ ارض پر سانس لے رہے ہیں، مگر انہیں جانوروں یا چیر پھاڑ کرنے والے درندوں کی سی خصلت سے الگ کرنے والی چیز، انسانی اور اخلاقی حِس ہے۔ اس حِس کو پروان چڑھانے اور بندگی کا قرینہ سکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اور رسول بھیجے، بلکہ اولین انسان، حضرت آدم علیہ السلام ہی کو نبی بنا کر بھیجا۔ انسانوں کی بد قسمتی ہے، کہ انہوں نے دائمی ہدایت سے بار بار بغاوت کی، انہی گم کردہ راہ انسانوں کو، خالق کائنات نے اپنے رسولوں اور پیغمبروں کے ذریعے پے در پے رہنمائی دی۔ اس رہنمائی کے آخری مکمل اور موثر شکل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں انسانیت کے تمام ادوار پر سایہ فگن ہے۔

ہزار بار بشستم دہن بمشک وگلاب هنوز نام تو گفتن مرا نمے شاید(۱)

میں نے ہزار بار اپنا منہ مشک وگلاب سے دھولیا اور پھر بھی میں تیرا نام لینے کے لائق نہیں۔

نبی اور رسول میں فرق:

رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لئے بھیجا ہو اور کبھی اس میں کتاب کی شرط بھی لگائی جاتی ہے، اس کے برخلاف نبی عام ہے۔ خواہ اس کے پاس کتاب ہو یا نہ ہو۔ اور بعض کے مطابق رسول کے پاس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔ خواہ کتاب جدید ہو یا کسی سابقہ رسول کی کتاب ہو۔ (۲) نبی کا لفظ نبو سے بنا ہے اور اس کے معنی رفعت اور سربلندی ہے اور نبی کو نبی اس لیے بھی کہا جاتا ہے، کہ اس کا مقام اپنی امت میں سب سے بلند تر ہوتا ہے۔ (۳)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ورفعنه مكانا عليا"(۴)

اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا۔

اور پھر فرمایا

تلك من انباء الغيب نوحيها اليك(۵)

یہ غیب کی خبریں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔

پھر دوسرے قول کے مطابق لفظ سا سے بنا ہے اور نبا اس خبر کو کہتے ہیں جس سے دو چیزوں کا حصول ممکن ہو۔

(۱)۔اس سے کوئی عظیم فائدہ حاصل ہو۔

(۲)۔یا اس سے یقین حاصل ہو۔

اور جب تک کوئی خبر ان دو چیزوں کو متضمن نہ ہو اس کو نبأ نہیں کہا جاتا، اور جس خبر کو نبأ کہا جاتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جھوٹ نہ ہو، جیسے خبر متواتر۔اس لیے اللہ تعالی کی خبر اور نبی ﷺ کی خبر کو نبأ کہا جاتا ہے۔اور چونکہ نبأ علم کو متضمن ہے اس لیے اس کا معنی خبر دینا بھی ہے۔(۶)

ارشاد باری تعالی ہے:

”وانبکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم“(۷)

اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔

اور اللہ نے فرمایا:

”کذلك نقص علیك من انباء ما قد سبق“(۸)

ہم ایسا ہی تمہارے سامنے اگلی خبریں بیان فرماتے ہیں۔

اس کے اعتبار سے نبی کا معنی ہے غیب کی خبریں بیان کرنے والا اور اصطلاح میں نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالی نے وحی نازل کی ہو اور اس کو تبلیغ احکام کے لیے بھیجا ہو۔(۹) تا کہ امت کی اصلاح اور عقائد کی کماحقہ درستی کی جاسکے اور احکام خداوندی پر عملدر آمد ہو سکے۔

فضائل انبیاء کرام:

انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالی کی ساری مخلوق سے بزرگ و برتر ہیں۔ان بزرگوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کچھ کم و بیش ہے۔ان میں سے تین سو تیرہ حضرات کو رسول کہا جاتا ہے، جو سب سے ممتاز ہیں۔رسولوں میں بھی پانچ حضرات ممتاز ہیں، جن کی مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے ترتیب کچھ یوں ہے۔

(۱)۔سیدنا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

(۲)۔حضرت ابراہیم علیہ السلام

(۳)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

(۴)۔ حضرت عیسی علیہ السلام

(۵)۔ حضرت نوح علیہ السلام

ان پانچوں حضرات کو اولو العزم پیغمبر کہا جاتا ہے۔ جو سارے انبیاء و مرسلین سے ممتاز اور افضل و اعلیٰ ہیں۔ (۱۰)

منصب نبوت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت مجد دالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں:

"ہر وہ شخص جو نبوت کا دعوی کرے اور معجزات دکھلائے اسے (صحیح معنوں میں) نبی اور پیغمبر تسلیم کر لینا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے، کہ نبوت کے دعویدار کی طرف سے معجزہ کے ظہور کے بعد وہ لوگوں کے دلوں میں اس کی صداقت کا یقین پیدا کر دیتا ہے۔"(۱۱)

لہذا، جس طرح کوئی مریض کسی طبیب کو دیکھ کر متوجہ ہو جاتا ہے اور اپنا علاج کرواتا ہے، بالکل اسی طرح، لوگ اُن کی طرف متوجہ ہوئے، اس طرح کرتے کرتے مشیت الٰہی کے تحت ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے۔ کچھ پیغمبروں پر تو لوگ ایمان لائے اور کچھ پیغمبروں کو لوگوں نے جھٹلا دیا۔

اور یہ کہ انبیاء علیھم السلام کے فضائل و خصائص کبریٰ کا بیان انسانی بساط سے باہر ہے۔ کیونکہ ان انبیاء کی بدولت ایک عالم کو دائمی نجات کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اور ہمیشہ کی گرفتاری سے آزادی نصیب ہوئی۔ اگر ان حضرات انبیاء کا وجود شریف نہ ہوتا تو حق سبحانہ و تعالیٰ جو کہ غنی مطلق ہے، جہان کو، اپنی ذات تعالیٰ وصفات مقدسہ کی نسبت کچھ خبر نہ دیتا، اور اس کی طرف راستہ نہ دیکھتا، کوئی شخص اس کو نہ پہچانتا اور اوامر و نواہی کہ جن کے ساتھ اپنے بندوں کو محض اپنے فضل و کرم سے ان کے نفع کے لیے مکلف بنایا ہے۔ ان کے بجالانے کی تکلیف نہ دیتا اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ امور جدا نہ ہوتے۔(۱۲)

آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں بھیجا۔ وہ رحمت العالمین بن کر اس دنیا میں تشریف لائے۔

اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

"وما ارسلنك الا رحمة للعلمين"(۱۳)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔

آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کی امت، آخری امت ہے۔ آپ ﷺ کے بعد نبیوں کا سلسلہ تو ختم ہو گیا۔ مگر صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد اولیاء اور صوفیائے کرام نے لوگوں کی اصلاح و بھلائی کا بیڑ و اٹھایا۔ الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و خدمت سے جو شرف حاصل کیا تھا اور تزکیہ نفس کی جس منزل پر پہنچے تھے اس کی بشارات خود قرآن پاک نے دی۔ اصحاب صفہ میں سے ہر ایک توکل ورضا کا پیکر تھا اور تاریخ اسلام میں انہی برگزیدہ شخصیات کو صوفیائے کرام کا پہلا گروہ کہا جاتا ہے۔

انہوں نے، لوگوں کو سیدھا راستہ دکھایا۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے کی وجہ سے یہ ہر ایک کا فرض ہے کہ دین کی دعوت کو عام کرے۔ صوفیہ کرام نے جہاں بہت سی چیزوں کی وضاحت کی وہاں نبوت کے علم و آگاہی پر اور اس کے فیض کو آگے پھیلانے پر بھی بہت کام کیا۔ ان تعلیمات پر عمل کرنے سے پہلے یہ جاننا بے حد ضروری ہے کہ نبوت سے کیا مراد و مطلوب ہے۔

کیونکہ اس طرح ہم اسلام کے بنیادی اصولوں سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اسلام کے مختلف معاملات کا تجزیہ کرنا چاہیں یا سمجھنا چاہیں تو نبوت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ تو نبوت کی تاریخی حقیقت اور ایسے معاملے کے طور پر لیں گے جس پر سوال نہیں کیا جا سکتا۔

جو لوگ مسلمان ہیں یا نہیں، وہ بھی نبوت سے انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ حضرت موسی علیہ السلام، یا عیسی علیہ السلام پر تو یقین رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

"وما ارسلنا قبلك الا رجالا نوحی الیهم فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون"(۱۴)

اور ہم نے تم سے پہلے نہ بھیجے مگر مرد جنہیں ہم وحی کرتے تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

انبیاء کرام نے کامل ایمانداری سے اللہ کے احکامات کو اپنی اپنی امتوں تک پہنچایا، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ترغیب دی، جیسے کہ:

حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے منع کرنا۔

حق سبحانہ تعالیٰ کے سوا مخلوقات میں سے کسی کو اپنا معبود نہ بنانا۔

یہ حکم (یعنی نفی عبادت غیر حق) انبیاء کے ساتھ ہی مخصوص ہے، انبیاء کرام کے سوا کسی نے یہ الفاظ نہیں کہے، (۱۵) اور ان کے متبعین کے علاوہ کسی کو اس راز سے باخبر نہیں کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" (۱۶)

حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"وما جعلنھم جسدا لایا کلون الطعام وما کانوا خلدین O ثم صدقنھم الوعد فانجینھم ومن نشاء واھلکنا المسرفین" (۱۷)

اور ہم نے انہیں خالی بدن نہ بنایا کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہیں۔ پھر ہم نے اپنا وعدہ انہیں سچا کر دکھایا تو انہیں نجات دی اور جن کو چاہا اور حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کر دیا۔

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ، دین کی عظمت اور اپنے بندوں کی حقانیت کو نص سے ثابت کر رہا ہے، کہ جن لوگوں نے توحید و رسالت کا انکار کیا اور ابدی تعلیمات کو چھوڑ کر سرکشی کی طرف گئے، ان کا انجام بد سے بدتر ہوا، دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کئے گئے اور اپنے بندوں کو معجزات عطا کر کے اپنی لامحدود و لافانی طاقت کو ظاہر فرما دیا۔

پھر ارشاد فرمایا:

"وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحنہ بل عباد مکرمون" (۱۸)

اور بولے رحمن نے بیٹا اختیار کیا پاک ہے وہ بلکہ بندے ہیں عزت والے۔

ان مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو خاص مقام و منصب سے نواز، اپنے خاص فضل و عطا سے بے پناہ قوتوں اور تجلی ذاتی و دائمی سے مشرف کیا ہوا ہے۔

نبوت کے معنی کی تحقیق صوفیہ کی نظر میں:

حضرت مجدد الف ثانی اپنے شہرہ آفاق رسالہ اثبات النبوۃ میں نبوت کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"نبی وہ ہے جس سے اللہ نے فرمایا ہو، کہ ہم نے تم کو فلاں قوم کی طرف یا تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہو یا تم ان کو میری طرف سے ہدایت پہنچا دو یا اس قسم کے الفاظ ہوں جو اس معنی کا فائدہ دیتے ہوں۔(۱۹)

اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے:

"ولقد ارسلنا فیھم منذرین"(۲۰)

اور بے شک ہم نے ان میں ڈر سنانے والے بھیجے۔

علم حقیقی کی پہچان:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات جو کہ زندگی کی اصل روح ہیں اور اللہ تعالی کی معرفت، شریعت مطہرہ پر چلے بغیر حاصل نہیں ہوتی ہے۔ ظاہر شریعت، بغیر باطن کے ناقص اور شریعت کا باطن بغیر ظاہر کے ہوس ہے، مصنف کشف المحجوب علم حقیقی کو یوں بیان کرتے ہیں کہ علم کی دو اقسام ہیں، ایک اللہ تعالی کا علم ہے، اور دوسرا مخلوق کا ہے۔(۲۱) جبکہ علم حقیقت کے تین ارکان ہیں:

۱۔ ذات حق اور اس کی وحدانیت کا علم

۲۔ صفات حق اور حق کے احکام کا علم

۳۔ افعال حق اور ان کی حکمتوں کا علم

بالکل اسی طرح شریعت کے بھی تین ارکان ہیں جو کہ کتاب، سنت اور اجماع امت ہیں(۲۲) اسی علم کی مزید وضاحت کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں، علم کی ایک قسم شرعی اور غیر شرعی بھی ہے۔ شرعی وہ علوم ہیں جو انبیاء علیھم السلام کے ذریعے ہم تک پہنچے۔ عقل تجربے اور سماعت کا ان میں کوئی دخل نہیں، علم حساب علم طب علم لغت شرعی علوم نہیں، کیونکہ ان میں سے پہلے کا عقل دوسرے کا تجربہ اور تیسرے کا سماع سے تعلق ہے۔(۲۳) انسان کا گردوپیش کی دنیا سے رابطہ حواس کے ذریعے ہے۔ حواس سے حاصل ہونے والا علم عقل کے لیے خام مواد ہے، جو تہذیب وتنقیح کے عمل سے گزر کر راہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے، باطن کی تب وتاب عقیدہ اور نظریہ سے عبارت ہے اور اسکی پہنہیائیاں لامتناہی اور جولاں گاہ غیر محدود ہے۔ اس لیے صوفیائے عظام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپناتے ہوئے اپنے فرمودات و اقوال میں اس بات کو لازم ولزوم قرار دیا، کہ ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ احکام الہی اور معرفت ربانی کے علم کو

حاصل کرنے میں کوشاں رہے، علم کے دو حصے ہیں، علم اصول و علم فروع۔ ظاہر علوم اصول میں توحید ورسالت کا اقرار اور باطن علم اصول میں حق کی معرفت کی تحقیق ہے اور ظاہر علم فروع میں، لوگوں سے حسن معاملہ اور باطن علم فروع میں نیت کا صحیح درست رکھنا ہے۔(۲۴) یعنی جس وقت پر جس علم کی ضرورت درپیش ہوئی، خواہ وہ ظاہر یا باطن اس کا حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔

دربیان ولائیت انبیاء:

روحانی علوم جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ ہیں، کو ختم کرنے کی سازشیں ہوتی رہیں ہیں اور یہ علوم و معارف سینوں میں منتقل ہوتے رہیں ہیں۔ قرآن شاہد ہے، کہ اللہ کی سنت میں نہ تبدیلی ہوتی ہے اور نہ تعطل واقع ہوتا ہے۔ اس قانون کے مطابق اللہ کی سنت کا ازل سے ابدتک جاری رہنا لازم قرار پاتا ہے۔ چوں کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اسی لیے آپ کے وصال کے بعد اس سنت الہیہ کو جاری وساری رکھنے کے لیے اللہ تعالی نے اپنے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے ورثاء کا ایک سلسلہ قائم کر دیا۔ علم حضوری سے مالا مال، ان صوفیہ نے آپ کے مشن کی پیش رفت کے لیے ہدایت وراہنمائی کی ذمہ داری اپنے توانا کندھوں پر اٹھالی۔ آج یہ جو توحید کا غلغلہ اور علم حضوری کی جھلک نظر آتی ہے، یہ سب آپ کے ان ہی ورثاء کی کوششوں کا ثمر ہے۔ انہی صوفیہ میں سے ایک طبقہ سے بعض شطحیات اور ایسے اقوال سرزد ہوئے، جو خلاف شریعت تھے، تو انہی اخص الخواص کاملین نے احسن انداز میں ان کی اصلاح کی اور لوگوں کو گمراہی کے بھنور سے نکالا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس عقدہ کو حل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
بعض مشائخ نے سکر کی حالت میں کہا، کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور بعض دوسرے مشائخ نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے۔ تاکہ نبی پر ولی کے افضل ہونے کا وہم دور ہو جائے، لیکن حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہے۔ ولایت میں سینہ کی تنگی کی وجہ سے مخلوق کی طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ لیکن نبوت میں کمال درجہ شرح صدر ہونے کی وجہ سے نہ تو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا مخلوق کی طرف توجہ ہونے میں مانع ہوتا ہے اور نہ ہی مخلوق کی طرف متوجہ ہونا حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے میں مانع ہوتا ہے۔ نبوت میں صرف مخلوق کی ہی طرف توجہ نہیں ہوتی ہے بلکہ ہر وقت دائمی حضوری ہے، نبوت کی شان اس سے کئی گنا افضل ہے لیکن اس کو سمجھنا ارباب سکر کے لیے دشوار و محال ہے۔(۲۵)

دربیان خوارق انبیاء:

نوع انسانی کے شعور کی ترقی بہر حال جاری ہے، جب بھی کوئی دشوار منزل آئی، تو اللہ نے اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعے ان کی راہنمائی کی اور صراط مستقیم کی طرف گامزن کیا۔ انبیاء کے مراتب کی بزرگی اور ان کی عظمت و برتری عصمت اور ایسے صفائے باطنی کی وجہ سے ہے نہ کہ صرف معجزہ یا کرامت یا افعال کے صدور کی وجہ سے ہے جو کہ خرق عادات ہو۔ باتفاق تمام انبیاء کرام علیھم السلام کے تمام معجزات خارق عادات ہوتے ہیں اور اصل اعجاز میں سب برابر ہیں، البتہ فضیلت میں ایک دوسرے پر فائق ہیں۔ جبکہ یہ بات جائز ہے کہ انبیاء کرام علیھم السلام کے معجزات، خرق عادات میں مساوی ہونے کے باوجود ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

اسی طرح معجزے کی دلالت صدق نبی پر دلالت سمعیہ نہیں ہے ورنہ دور لازم آئے گا کیونکہ معجزہ نبی کی صداقت پر دلالت کرنا نبی کے صادق ہونے پر موقوف ہو گا بلکہ وہ دلالت عادلہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی عادت جاری کی ہے۔ کہ معجزہ کے ظاہر ہونے کے بعد صدق کا علم پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کرنا اگرچہ عقلاً ممکن نہیں لیکن عادتاً اس کا انتظام معلوم ہے۔(۲۶)

یہی وہ بلند شان اور خاصہ، حضرات انبیاء کرام کا ہے جو ان کو، تمام بنی نوع انسان سے ممتاز و جدا کرتا ہے، اور حقیقت معرفت خداوندی کے جام پلاتا ہوا، اس واجب الوجود کے مظہر اتم کا جلوہ بھی دکھاتا ہے۔ صوفیہ نے اس دعوت کے منہج واسلوب کو اپناتے ہوئے اپنے مشن کو آگے بڑھایا اور بتایا کہ اللہ جل شانہ کی ذات کو معبود برحق تسلیم اور انبیاء کرام علیھم السلام کی رسالت کا اقرار کر کے ہی آخرت کی نجات کا دارومدار ممکن ہے۔ اگرچہ بظاہر انبیاء کرام علیھم السلام نے مخلوق خدا کو اسی امر کی دعوت دی تھی، مگر وہ کامل صوفیائے کرام جو خدا پرست، صاحب کشف اور شمع نبوت سے نور حاصل کرتے ہیں، حضرت مجدد اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کو آشکار کرتے ہوئے مزید رقمطراز ہیں:

یہ ہی وہ کبریت احمر ہیں اللہ جل شانہ کے دین کے وارث ہیں، زمین ان کاملین کے سہارے قائم ہے اور انھی کے فیوض و برکات سے اہل زمین پر نزول رحمت ہوتا ہے، انھی کی وجہ سے لوگوں پر بارش برسائی جاتی ہے، انھی کی بدولت ان کو رزق دیا جاتا ہے اور ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی بھی بدنصیب نہیں ہوتا۔(۲۷)

دربیان خصائص انبیاء کرام:

صوفیائے کاملین کی سب سے بڑی عبادت ہمیشہ سے یہ رہی ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی آفاقی تعلیم، سچائی اور نبوت کے فیض کو اہل جہاں میں پھیلاتے، بری عادات اور رسومات کی بیخ کنی کرتے اور اچھے طریقے سے دعوت و تبلیغ کے فرائض سر انجام دے کر، لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا درس دیتے، دنیا کی مذمت اور آخرت کی تعریف و توصیف کرتے، کیونکہ تمام احوال و واقعات میں بالاتفاق تمام اولیاء، انبیاء کے متبع ہیں اور جہاں ولایت کی انتہا ہے، وہاں سے نبوت کی ابتداء ہے اور اسی مؤقف کے پیش نظر حضرت داتا گنج بخش رقم طراز ہیں: تمام انبیاء لازمی طور پر اولیا ہیں، مگر اولیا میں سے کوئی نبی نہیں ہے، اور انبیاء اکرام علیھم السلام صفات میں بشریت کی نفی میں متمکن و برقرار ہیں۔(۲۸) یہ نبوت کے موضوع میں سے ایک اہم پہلو ہے کہ کچھ لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ ولیوں کا درجہ انبیاء سے زیادہ ہو سکتا ہے جبکہ اس دنیا میں کوئی انسان بھی ایسا نہیں، جو نبیوں سے برتر و اعلی ہو، تمام انبیاء علیھم السلام معصوم ہیں، ان کی برابری تو بہت دور کی بات، کوئی ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اس معارف کو بیان کرتے ہوئے آپ مزید لکھتے ہیں:

انبیاء کرام علیھم السلام حق کی طرف بلانے والے اور امام مطلق ہیں اور اولیائے عظام حسن اعتقاد کے ساتھ انبیاء کرام کے متبع اور پیروکار ہیں۔ انبیاء کرام، بارگاہ الہی کے واصل اور مقصود نشان کو پانے والے ہیں(۲۹) اور جن گمراہوں نے یہ کہا کہ اولیاء انبیاء سے افضل ہیں وہ یہ نہ جان سکے جہاں پر ولائیت کی انتہا ہوتی ہے وہیں سے نبوت کی ابتداء ہے۔ اولیاء پر جو خاص کیفیت طاری ہوتی ہے وہ انبیاء کرام علیھم السلام کا دائمی مقام ہے، اور ایک ولی جب اپنی عرف و عادت کے مطابق انتہا کو پہنچتا ہے تو وہ مشاہدے کی خبر دیتا ہے۔ اس کے برعکس نبی اور رسول کا پہلا قدم ہی مشاہدے میں ہوتا ہے۔ جب ان کی ابتداء، ان کی انتہا میں شمار ہوتی ہے تو ان کے ساتھ انہیں ہرگز قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، لہذا انبیاء علیہ السلام کا ایک سانس، اولیاء کی پوری زندگی سے افضل و اعلیٰ ہے۔(۳۰) لہذا ثابت ہوا کہ نبی کی ولایت، ولی کی ولایت سے افضل، اور اعلیٰ و برتر، مقام رکھتے ہیں اور ان کو ہر طرح کی جمعیت و اطمینان قلبی میسر ہے اور اولیاء کاملین کو یہ شعور محض ان کی پیروی اور کامل اتباع سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

آپ مزید لکھتے ہیں: انبیاء کرام کی تمام زندگی میں تفرقے کی صورت ہی نہیں ہوتی۔ ان کی نفی و اثبات، مسلک و منقطع، اقبال و اغراض اور بدایۃ و نہایۃ سب کے سب عین ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ابتدائی حال یہ ہے کہ جب آفتاب کو دیکھا تو فرمایا "ھذا ربی" اور چاند ستاروں کو دیکھا تو فرمایا "ھذا ربی" اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے دل پر حق کا غلبہ تھا، پس ثابت ہوا کہ، نبوت کی کوئی ابتداء و انتہا نہیں، ان کی ابتداء بھی نبوت اور انتہاء بھی نبوت ہی ہے۔ اس ضمن میں جب "حضرت بایزید بسطامی سے لوگوں نے پوچھا انبیاء کرام علیہم السلام کی بابت کچھ فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا افسوس کہ ہمیں ان کے بارے میں کوئی اختیار نہیں، ان کے بارے میں جو کچھ ہم کہیں گے وہ سب کچھ ہم ہی ہم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے نفی و اثبات کو اس درجہ میں رکھا ہے کہ وہاں تک مخلوق کی نظر نہیں پہنچ سکتی ہے۔(۳۱)

لہذا نبوت سے مراد وہ درجہ ہے جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے کہ اس کی روشنی میں غیب اور دیگر امور ظاہر ہوتے ہیں، جن کا ادراک عقل نہیں کر سکتی، اور یہ ایسا عظیم معارف ہے جس کا عقل سے حاصل ہونا متصور نہیں ہو سکتا ہے۔(۳۲) اور فقہ شمع نبوت کے نور سے ہی قلوب واذہان کو جلا بخشی جا سکتی ہے اور علوم شرعیہ کے ذریعے سے خدا کی معرفت اور حقیقت کو سمجھا جا سکتا ہے، انبیا علیہم السلام کی تعلیمات تحفہ خداندی ہے اور ان کی پیروی عظیم ثمرات پر مشتمل ہوتی ہے، جو ہمیں ان کامل صوفیہ کی علمی و عملی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔

مقام مخبر صادق ﷺ:

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور خاتم النبین کے درجہ پر فائض ہیں۔ اللہ نے جتنے بھی کمالات و خصائص تھے، ان سے آپ کی شخصیت کو متصف کیا اور بروز حشر آپ کو شفاعت کبریٰ کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے، خالق کائنات نے اپنے آخری نبی ﷺ کو غایت تخلیق بنا کر مبعوث فرمایا اور عبدیت کے سب سے اعلیٰ مقام پر مشرف کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے اس اعلیٰ درجے پر فائض ہیں جس میں زمانہ کی دوری اس تصدیق میں مخل نہیں ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ کے تمام اقوال و افعال، اعمال صالحہ عقائد حقہ کے ذریعے قوت علمیہ و عملیہ میں نفوس بشریہ کی تکمیل کی خبر دیتے ہیں اور ہمارے دلوں کے

علاج اور ان کی تاریکیوں کے ازالے کی خبر دیتے ہیں اور در حقیقت نبوت کے معنی کی اس سے بہتر تشریح نہیں ہو سکتی ہے، جس سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر بے حد شفقت کی جھلک دکھائی دے رہی ہے۔ (۳۳) لہذا جس جس شخص نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں اور ان اخبار میں غور کیا جو آپ ﷺ سے منقول ہیں اور ان میں آپ لوگوں کے حق میں مختلف قسم کی رفق ونرمی کے ذریعے تہذیب اخلاق اور بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کی اور رہنمائی کا اہتمام کیا تو اس کو لازمی طور پر اس کا علم حاصل ہو گا، کہ امت پر آپ ﷺ کی شفقت اس سے زیادہ ہے جو باپ کو بیٹے پر ہوتی ہے اور اگر ان عجیب افعال پر غور کیا جائے، جو آپ ﷺ سے ظاہر ہوئے اور غائب کے عجائب پر غور کرے جن کے متعلق قرآن مجید میں آپ ﷺ کی زبان کے ذریعے خبر دی گئی اور ان خبروں پر غور کیا جائے جو آخری زمانے کے متعلق دی گئی ہیں، اور جس طرح آپ ﷺ نے ذکر کیا اسی طرح ان کے وقوع پر غور کیا جائے، تو اسے لازمی طور پر اس کا علم حاصل ہو گا کہ آپ ﷺ اس درجے پر پہنچے ہوئے ہیں، جو عقل سے ماوراء ہے اور اس میں وہ نظر کھل جاتی ہے، جس سے غیب کے وہ خواص اور وہ امور منکشف ہو جاتے ہیں جن کا ادراک عقل نہیں کر سکتی ہے۔

مقام عشق مصطفیٰ ﷺ:

رسول اکرم ﷺ کے ساتھ عشق کی شان جلالت کا یہ عالم ہے، کہ آپ کے محب اللہ تعالیٰ کے محبوب بنتے ہیں۔ محبین کی محبت کا شدید تقاضا، محبوب کا دیدار ہے اور اسکی بندگی و احکام کی بجا آواری کو سرانجام لانا ہے۔ اس بندگی کے بدلے میں محبوب اپنے محبین کو، پیار کی دائمی دولت عطا کر دیتے ہیں اور بقا سے مشرف کرتے ہیں۔ اس مقام عبدیت و بندگی کے شہسوار ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہے اور جن اصفیاء نے آپ کے دامن کو تھاما، وہ اس نعمت ابدی سے سرفراز کیے گئے۔ حضرت مجدد الف ثانی اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آن سرور رب العالمین است متابعان او بواسطہ متابعت بمرتبہ محبوبیت میرسند چہ محب درہر کہ از شمائل و اخلاق محبوب خود می بیند آنکس را محبوب خود میدارد و مخالفان را ازینجا قیاس باید کرد

محمد عربی کابروی ہر دو سرا است   کسی کے خاک درش نیست خاک بر سر اوؒ (۳۴)

آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور آپ کے پیروکار آپ کی متابعت سے محبوبیت کے مرتبہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ کیونکہ محب اپنے محبوب کے اخلاق و عادات جس میں دیکھتا ہے اسے بھی محبوب بنالیتا ہے۔ مخالفین کو اس مقام پر سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو سارے جہانوں کی عزت ہیں۔ جو آپ کے در کی خاک نہیں اس کے سر پر خاک ہو۔

اگر موجودہ دور کے لوگوں کے احوال کا بغور مطالعہ کیا جائے، تو پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے اعتقاد بگڑنے اور ایمان کے کمزور ہونے کی وجہ صرف یہی ہے، کہ یہ عہد نبوت سے دور ہوتے چلے جارہے ہیں اس لیے اس مرض کا علاج بھی، حضرت مجدد الف ثانی نے یہ تجویز فرمایا کہ واپس اسی بارگاہ کی طرف بندہ متوجہ ہو اور سرکار دو عالم کے شمائل و خصائص کو اپنائے، تاکہ قرب ایزدی میسر آسکے اور دائمی نجات کو حاصل کرسکے۔

شیخ درویش کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

”آدمی تا زمانیکہ بدنس تعلقات پراگندہ متلوث است محروم و مجور است تصقیل مرآت حقیقت جامع از زنگ محبت مادون او عزوجل لابد است و بہترین مصقلھا در ازالہء آن زنگ اتباع سنت سفیہ مصطفویہ است علہ مصدرھا الصلوۃ والسلام والتحیۃ“۔(۳۵)

جب تک آدمی تعلقات غیر کے میل سے گندہ رہے گا، محروم و مجبور رہے گا۔ حقیقت کے آئینے کو اللہ تعالی کے ماسوا کی محبت کے زنگ سے صاف کرنا بڑا ضروری ہے۔ اس آئینے کو چمکانے والی سنت نبوی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔

یعنی آپ ﷺ کی عظیم الشان اور رفیع البیان صفت ختم نبوت اور متابعت کو، قرآن وحدیث میں بنیادی حیثیت دی گئی ہے اور یہ ایمان بالرسالت کا مغز بھی ہے، نچوڑ بھی، اور روحانیت کے کمال کا خلاصہ وروح ہے۔ جس نے بھی آپ کی پیروی کو چھوڑا وہ گمراہی کے بھنور میں جابسا۔ اسی لیے آپ کے نزدیک نبوت کے عہد سے دوری فساد کا سبب ہے۔ لہذا عشق مصطفی ﷺ جو کہ در حقیقت متابعت و پیروی کا دوسرا نام ہے، اس کو ہر معاملہ سے بلند و بالا سمجھنا ہر مسلمان پر لازم و ملزوم ہے۔

کمالات حقیقت محمدیہ ﷺ:

روحانیت کی دنیا میں جتنے بلند مدارج اور مراتب ہیں، ان سب میں اعلیٰ اور ارفع، مرتبہ حقیقت محمدیہ حقیقت احمدیہ حقیقت کعبہ ہے۔ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو جس کمال عبدیت سے

متصف کیا ہے، آنے والے متبعین نے اس دولت سرمدی کو بطریق تبعیت و وراثت اور مجاہدہ کے ذریعے سے درجہ بہ درجہ حاصل کیا۔ آپ کی عظیم تخلیق تعلیم و تربیت، اور کمالات کو اپنے اپنے ذوق و رسائی کے مطابق پایا اور بیان کیا۔ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ تمام حقائق کی حقیقت الحقائق و جامع ہے اور روحانیت کی دنیا میں جتنے بلند مدارج و کمالات و مراتب ہیں ان میں سب سے اعلیٰ وارفع مرتبہ حقیقت محمدیہ واحمدیہ کا ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت، باعث ایجاد عالم کائنات ہے، اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک نہ ہوتا، تو اللہ تعالی کسی بھی چیز کو تخلیق میں نہ لاتا۔

حضرت مجدد الف ثانی اس معارف عظیم کو یوں بیان کرتے ہیں:

"حقیقت محمدی علیہ و علی الہ الصلوۃ والسلام کہ حقیقتہ الحقائق است آنچہ در آخر کار بعد از طی مراتب خلال برین فقیر منکشف گشتہ است تعین و ظہور جی ست کہ مبداء ظہورات و منشاء خلق مخلوقات ست در حدیث قدسی کہ مشہورست آمدہ است "کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لا عرت" اول چیزیکہ از ان گنجینہ مخفی بر منصہ ظہور آمد حب بودہ است کہ سبب خلق خلائق گشتہ اگر این حب نمے بود در ایجاد نمے کشود و عالم در عدم راسخ و مستقر میبو دوسر حدیث قدسی "لولاک لما خلقت الافلاک" راکہ درشان خاتم الرسل واقع ست علیہ و علیھم الصلوات والتسلیمات اینجا باید جست و حقیقت "لولاک لما اظھرت الربوبیۃ" رادرین مقام باید طلبید"۔(۳۶)

حقیقت محمدیہ علیہ و علی وآلہ الصلوۃ والسلام جو کہ حقیقت الحقائق ہے مراتب خلال کے طے کرنے کے بعد اس فقیر پر آخر کار کچھ اس طرح سے منکشف ہوئی کہ وہ تعین اور ظہور بھی ہے جو کہ تمام ظہورات کا مبداء اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے مشہور حدیث قدسی میں آیا ہے میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے محبوب رکھا تاکہ میں پہچانا جاؤں پھر میں نے مخلوق کو پیدا کیا سب سے پہلی چیز جو اس مخفی خزانے سے ظہور کے تحت جلوہ گر ہوئی وہ محبت تھی جو کہ مخلوق کی پیدائش کا سبب ہوئی۔ اگر یہ محبت نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں مستقل طور پر اپنا ٹھکانہ نہ رکھتا۔

حدیث قدی اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا جو کہ خاتم الرسل کی شان میں واقع ہوئی ہے اس کا راز اس جگہ سے معلوم کرنا چاہئے اور اگر تو نہ ہوتا تو ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا کی حقیقت کو اس مقام پر تلاش کرنا چاہئے۔ مندرجہ بالا دقیق ترین معارف سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت

کا ادراک کیا جا سکتا ہے، کہ آپ کسی بلند مقام پر فائز ہیں، کہ رب ذوالجلال نے، مقام تعین اول میں سب سے پہلے جس چیز کو وجود عطا کیا وہ "احببت" ہے، جس کے معنی ہیں میں نے محبوب رکھا، تا کہ میں پہچانا جاؤں اور جو چیز منصۂ ظہور د مشہود پر آئی، وہ محبت تھی اور وہ ہی محبت در اصل حقیقت محمدی ہے، کیونکہ اسی محبت کی وجہ سے سب کچھ ظہور پزیر ہوا اور باقی مخلوقات کو وجود عطا ہوا۔ اگر یہ محبت نہ ہوتی تو کسی کو کوئی وجود نہ ملتا اور یہی شان و خصوصیت اللہ نے اپنے محبوب کے لیے فرمائی ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کو نہ پیدا کرتا بلکہ اپنی ربوبیت کو بھی ظاہر نہ کرتا لہٰذا ثابت ہوتا ہے، کہ وہ تعین اول اور ظہور اول جو محبت ہے، وہ حقیقت میں نور مصطفی ہے اور اول ما خلق اللہ نوری میں جو ارشاد واقع ہوا ہے، اس کو صوفیائے عظام نے حقیقت محمدیہ سے تعبیر کیا ہے۔

خلق محمدی ﷺ کے خصائص:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب رب العالمین ہیں اور تمام نبیوں کے خاتم اور آپ کا دین ادیان سابقہ کا ناسخ ہے۔ اور آپ کی کتاب پہلی، کتب سے بہترین ہے۔ آپ کی شریعت کا ناسخ کوئی نہیں ہو گا اور قیامت تک یہی شریعت رہے گی۔ عالم آفاقی و انفسی میں جو کچھ بھی ملتا ہے، آپ کی بدولت سے ہی ملتا ہے۔ آپ کی شفاعت سے امت پر رحم کیا جائیگا اور اللہ آپ کی توجہ خاصہ سے عاصیوں پر ابر کرم کی برسات برسائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو نزول فرمائیں گے، وہ بھی آپ کی شریعت ہی پر عمل کریں گے اور آپ کے امتی کی حیثیت سے رہیں گے، آپ کی وجہ سے ہی اس کائنات کو تخلیق کیا گیا اور آپ کو باعث ایجاد عالم کائنات کے لقب سے سرفراز کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کی پیدائش کی منفرد شان کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان کرتے ہیں:

"باید دانست کہ خلق محمدی در رنگ خلق سائر افراد انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردی از افراد عالم مناسبت ندارد کہ او صلی اللہ علیہ آلہ سلم باوجود نشاء عنصری از نور حق جل و علاء مخلوق گشتہ است کما قال علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام، "خلقت من نور اللہ" و دیگران این دولت میسر نشدہ است"۔ (۳۷)

جاننا چاہیے کہ خلق محمدی دوسرے انسانی افرادی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ افراد عالم میں سے کسی بھی فرد کی پیدائش سے مناسبت نہیں رکھتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم عنصری پیدائش کے

باوجود اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ تعالی وآلہ سلم نے خود فرمایا ہے خلقت من نور اللہ (میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں) دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں۔

خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فہم، حضرت مجدد اعظم کے اس کشف صریح سے واضح ثابت ہوتا ہے، کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے ہے، جو صفات اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے، نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں سے ثابت ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ ایک ایسا نور ہیں جو عنصری پیدائش میں، اصلاب سے متعدد ارحام میں پہنچتے ہوئے اللہ تعالی کی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق انسانی صورتوں میں جو سب سے بہترین احسن تقویم، کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ مزید بر آں، جنہوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف بشر مانااور باقی انسانوں جیسا تصور کیا وہ گمراہی میں جا گرے اور جن خوش بختوں نے آپ ﷺ کو رسالت کے رنگ میں دیکھا اور رحمت عالم جانا اور تمام مخلوقات سے افضل واعلیٰ مانا تو ایمان جیسی لازوال دولت (۳۸) سے مشرف ہوئے اور دائمی نجات کے حق دار بن گئے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے، تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت کا اظہار فرماتا۔ اور آپ اس وقت بھی نبی تھے، جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ مزید بر آں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے جمہور علماء کی نزدیک معتبر دلیل یہ ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آپ کے دست مبارک سے معجزات کا ظہور ہوا۔(۳۹) حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار ہیں، قیامت کے دن آپ کے امتی سب نبیوں کے امتیوں سے زیادہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ سب اگلے پچھلوں سے زیادہ معزز ہیں۔ سب سے پہلے آپ کی قبر انور شق ہوگی۔ سب سے پہلے آپ ہی شفاعت فرمائیں گے اور سب سے پہلے آپ ہی کی شفاعت قبول ہوگی۔ سب سے پہلے آپ جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے پس اللہ تعالی آپ ہی کے لیے دروازہ کھول دے گا۔ قیامت کے روز آپ حمد کا جھنڈا بلند فرمائیں گے۔(۴۰)

در حقیقت میں آپ ﷺ کے توسل کے بغیر کسی بھی عمل کا قبول ہونا ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ اللہ آپ کی رضا کو چاہتا اور آپ کی اتباع کو اپنی پیروی قرار دیتا ہے اور اس کے بغیر نجات تصور کرنا مشکل امر حضرت خواجہ معصوم سرہندی نے مقام توسل اور اتباع نبوی پر ترغیب دیتے ہوئے خواجہ دینار کو فرمایا:

"دونوں جہان کی سعادت، آپ کی اتباع و پیروی پر منحصر ہے۔ اللہ کی رضا، ذکر و فکر، زہد و توکل، جنت کا حصول، الغرض ہر معاملہ کی قبولیت آپ ﷺ کی تابعداری پر ہے۔ آپ ﷺ ایک ایسا نور ہیں کہ جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور آپ ﷺ اللہ تعالی کی تلواروں میں سے میان سے نکلی ہوئی ایک عمدہ تلوار ہیں، کیونکہ واجب الوجود جل شانہ آپ ﷺ کی رضا کو چاہتا ہے اور تمام انبیاء کرام و اولیائے امت آپ ﷺ کے سرچشمہ آب حیات سے مستفید ہونے والے ہیں"(۴۱)

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرنے اور دعوت حق کو عام کرنے اور اللہ کے احکامات کو نافذ کرنے کے بارے میں خواجہ حنیف کابلی کو لکھتے ہیں:

دنیا روز بروز تاریکیوں کے گرداب میں پھنستی چلی جارہی ہے۔ کوئی جوان مرد ایسا ہونا چاہیے جو سنت نبوی کو زندہ کرے اور بدعات کا خاتمہ کرے۔ اللہ کی محبت و معرفت آپ کی اتباع کے بغیر ناممکن ہے اور سنتوں کے انوار و نبوت کے طریقوں کو اختیار کیے بغیر نجات تلاش کرنا سراسر وہم ہے۔(۴۲)

حاصل کلام یہ کہ حسن اخلاق، بغیر تزکیہ نفس کے پیدا نہیں ہوتا ہے، اور تزکیہ نفس اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جب تمام انبیاء کے ملجاء و ماویٰ، حضرت رسول اکرم ﷺ کی شریعت مطہرہ کی پیروی کی جائے اور یہ سنت کی اتباع کامل اخلاص سے ہو، تو اس کو طریقت کہا جاتا ہے اور جو جواہر و لعل اس متابعت سے حاصل ہوں، اسکو حقیقت کہا جائے گا اور علم و حکمت و تزکیہ نفس کی اہمیت انسان کے لیے اظہر من الشمس ہے۔ علم و حکمت ہی سے انسان کی مادی اور معنوی ترقی، دنیوی اور اخروی سعادت وابستہ ہے۔ الغرض، صوفیائے کرام نے، حضرات انبیاء کرام کی ان روشن تعلیمات کو نہ صرف اپنایا، بلکہ بڑی جانفشانی سے آگے پھلایا۔ قرآن مجید فرقان حمید کی علمی و عملی صورت کا بہترین نمونہ بن کر معاشرے میں آگے بڑھے اور پھیلی ہوئی بدعات و فرسودہ نظام کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کی جس کے ہر دور میں بڑے دور رس اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

حوالہ جات و تعلیقات

۱۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، شیخ مکتوبات امام ربانی، مترجم: مولانا محمد سعید احمد نقشبندی، کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی ۱۹۷۰، دفتر اول، مکتوب ۱۸، ۱/ ۴۸

۲۔ غلام رسول سعیدی، علامہ، تبیان القرآن، لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۲ء، ۴/ ۳۵۶

۳۔ ایضاً، ۹/ ۳۵۷

۴۔ المریم: ۵۷۱

۵۔ ہود: ۴۹

۶۔ غلام رسول سعیدی، علامہ، تبیان القرآن، ۹ء ۳۵۷

۷۔ آل عمران: ۴۹

۸۔ طٰہٰ: ۹۹

۹۔ غلام رسول سعیدی، علامہ، تبیان القرآن، ۹/ ۳۵۷

۱۰۔ شاہجہان پوری، عبد الحکیم خان، مولانا مجددی عقائد و نظریات، لاہور: حامد اینڈ کمپنی، ۱۴۱۵ھ، ص: ۸۸

۱۱۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ، رسالہ تہلیلیہ، مترجم: علامہ غلام مصطفی مجددی، لاہور: قادری رضوی کتب خانہ ۱۴۳۰ھ، ص: ۲۰۰

۱۲۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، شیخ مکتوبات امام ربانی، مترجم: سید زوار حسین شاہ، کراچی: ادارہ مجددیہ، ۱۴۰۹ھ، دفتر اول، مکتوب ۶۳، ۱/ ۲۰۰

۱۳۔ الانبیاء: ۱۰۷

۱۴۔ الانبیاء: ۷

۱۵۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، شیخ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۶۳، ۱/ ۲۰۱

۱۶۔ بنی اسرائیل ۸۱

۱۷۔ الانبیاء: ۸-۹

۱۸۔ الانبیاء: ۲۶

۱۹۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، شیخ، اثبات النبوۃ، مترجم: صوفی نثار الحق، کراچی تبلیغ صوفیاء دعوت الی الخیر، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۳۳

۲۰۔ ایضاً، ص: ۴۲

۲۱۔ ہجویری، سید علی بن عثمان، کشف المحجوب، مترجم: غلام معین الدین نعیمی اشرفی، کراچی: مکتبہ ندارد، ۱۹۷۵ء، ص:۵۳
۲۲۔ ایضاً ص:۵۵
۲۳۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر احمد، تصوف اور تصورات صوفیہ، لاہور: سیٹھی بکس، ۲۰۰۸ء، ص:۴۲۰
۲۴۔ ہجویری، سید علی بن عثمان، کشف المحجوب ص:۵۵
۲۵۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، شیخ مکتوبات امام ربانی، پشاور: مکتبہ سعیدیہ، س ن، دفتر دوم، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۱۰۸، ۱/ ۲۹۳
۲۶۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، شیخ، اثبات النبوۃ، ص:۱۴۰
۲۷۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، شیخ، رسالہ تہلیلیہ، مترجم: صوفی نثار الحق کراچی: تبلیغ صوفیاء دعوت الی الخیر، ۲۰۰۷ء، ص:۱۰۶
۲۸۔ ہجویری، سید علی بن عثمان، کشف المحجوب ص:۳۸۰
۲۹۔ ایضاً، ص:۳۸۰
۳۰۔ ایضاً، ص:۳۸۰
۳۱۔ ایضاً، ص:۳۸۱
۳۲۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، شیخ، اثبات النبوۃ، ص:۱۶۱
۳۳۔ ایضاً، ص:۱۲۷
۳۴۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۲۲، ۱/ ۱۳
۳۵۔ ایضا، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب ۴۲، ۱/ ۵
۳۶۔ ایضاً، دفتر سوئم، حصہ نہم، مکتوب ۱۲۲، ۳/ ۱۲۸
۳۷۔ ایضاً، مکتوب نمبر ۱۰۰، ص:۷۵
۳۸۔ ایضاً، حصہ ہشتم، مکتوب نمبر ۶۴، ص:۱۴۵
۳۹۔ مجدد الف ثانی احمد سرہندی، شیخ، رسالہ تہلیلیہ، ص:۱۱۵
۴۰۔ ایضاً، ص:۱۱۳
۴۱۔ سرہندی، خواجہ محمد معصوم، مکتوبات معصومیہ، مترجم: سید زوار حسین شاہ، کراچی: ۱۹۷۸ء، دفتر اول، مکتوب نمبر ۱۰، ۱/ ۳۶۔۳۷
۴۲۔ ایضا، دفتر اول، مکتوب ۲۲، ۱/ ۶۷

غیر مسلموں سے تعلقات اور بقائے باہمی کی اساس: سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں

ڈاکٹر محمد سجاد

(ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فکر، تاریخ و ثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد)

Abstract:

Islam is universal Religion which not only clear with issues related to Muslims but also clarify the rules and regulations to have intimacy with Non-Muslims. Islam emphasizes on primary/ basic rules about relationship of Muslims and Non- Muslims Communities; justice, peace, mutual harmony and co-operation. No force conversion and freedom of thought, Non compulsion Of impartiality covenant. Islam forces on mutual existence in according of these rules. So, clash of civilizations can be avoided in the present age.

اسلام ایک عالمگیر دین ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے جو انسانوں کو دنیا و آخرت کی کامیابی کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کا خطاب سب انسانوں سے اور ان کے سب طبقات سے ہے۔

قُلْ یَا أَیُّھَا النَّاسُ إِنِّی رَسُولُ اللّٰہِ إِلَیْکُمْ جَمِیعًا[1]

"اے محبوب کہہ دیجئے کہ اے لوگوں! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں"

جس دین کا خطاب دنیا کے تمام انسانوں اور ان کے تمام طبقات سے ہو، جو اس حیثیت سے سامنے آئے کہ وہ سارے عالم کی فلاح و نجات کا ذریعہ ہے، وہ کسی طبقہ سے نفرت اور عداوت کا سبق نہیں دے سکتا، ورنہ اس کا خطاب محدود ہو کر رہ جائے گا۔ جو نظریات طبقات کے درمیان کشمکش پیدا کرتے ہیں وہ ایک کے ذریعے دوسرے کا استحصال کرتے ہیں۔ ان میں عمومی اپیل نہیں ہوتی وہ ایک کے لئے پرکشش ہوتے ہیں تو دوسرے کے لئے قابل قبول نہیں ہوتے۔

اسلام نے اپنے عقیدے اور فکر کو عام کرنے کے لئے جبر واکراہ کے تمام طریقوں کو رد کر دیا ہے۔ ان میں سے ہر طریقہ اس کے نزدیک ناجائز اور ممنوع ہے۔ اس کے لئے اس نے صرف دعوت و تبلیغ کی راہ کھلی رکھی ہے۔ وہ اپنی بات دلائل کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ اور اسے قبول یا رد کرنے کی پوری آزادی دیتا ہے، اس نے صبر و ثبات کے ساتھ اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے اور مخالفت اور مزاحمت کو عزم و حوصلہ اور ہمت سے برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاصْبِرْ عَلَی مَا یَقُولُونَ وَاھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیلًا[2]

"اے نبی ﷺ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کیجئے اور ان کو اچھی طرح چھوڑ دیجیے"

اسلام نے بار بار کہا ہے کہ یہ راہ عفو و درگزر کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَاصْفَحْ عَنْھُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ یَعْلَمُونَ[3]

"ان سے درگزر کیجئے اور سلام کہیے، ان کو بہت جلد (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیلَ إِنَّ رَبَّکَ ھُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِیمُ[4]

"اے رسول ﷺ ان سے اچھی طرح درگزر کیجئے، تمہارا رب وہی ہے جو پیدا بھی کرتا ہے اور باخبر بھی ہے"

اسلام نے ہدایت کی ہے کہ بات چیت میں، دعوت میں اور اپنے عام طرز عمل میں ایسا رویہ اختیار کیا جائے کہ جس سے بدترین دشمن کی بھی دشمنی ختم ہو جائے اور وہ دوستوں کی صف میں آ جائے[5]

اسلام نے تعلقات میں صداقت اور راست بازی کی پابندی اور جھوٹ اور مکر و فریب سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ نخوت اور استکبار کی جگہ تواضع اور خاکساری کا مزاج پیدا کیا ہے۔ درشت مزاجی اور شدت کے مقابلے میں نرمی اور رأفت کو پسند کیا ہے، غیظ و غضب پر قابو پانے اور تحمل و برداشت کا رویہ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ انتقام میں حد سے آگے نہ بڑھنے اور عفو و درگزر سے کام لینے اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کی ترغیب دی ہے۔ شر اور فتنہ و فساد سے بچنے اور ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کی تاکید کی ہے۔ یہ ہدایات بالکل عام ہیں۔ ان کا تعلق خاص مسلمانوں سے نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے تعلقات میں ان کا احترام کریں۔ اس معاملہ میں اسلام نے اپنے اور غیروں میں فرق نہیں کیا ہے۔ ایک مسلمان کو ربط و تعلق کسی بھی مذہب و عقیدہ کے ماننے والے سے ہو، توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان کا پابند رہے گا جس سماج میں اخلاقیات کی فرماں روائی ہو وہاں فطری طور پر ظلم و زیادتی کے امکانات کم سے کم تر ہوتے چلے جائیں گے اور اگر کبھی کسی طرف سے کوئی غلط قدم اٹھے تو قانون اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑا ہو گا اور اپنا فرض انجام دے گا۔[6]

عام نوعِ انسانی کے ساتھ تعلقات کے معاملہ میں اسلام کے اصولی اندازِ فکر کا قرآن و سنت کے اندر محبت (تَوَدُّوْهُم) حسن سلوک (تُحْسِنُ) حلم و شرافت، (التی هی احسن) اور محافظت کے الفاظ میں اصولی اظہار ہوا ہے۔ قرآن پاک میں جو ہدایات دی گئیں اس میں غیر مسلموں کے ساتھ نہ صرف پر امن بقائے باہمی کا اصول دیا گیا بلکہ ان کے ساتھ عدل و انصاف کے عالمگیر ابدی اصول کے مطابق اقدامات کرنے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے کام کرنے کی ہدایات بھی دی گئیں۔ مزید بر آں قرآن پاک کی مشہور اور عام اصطلاح البر کے اصول کے مطابق ان سے معاملہ کرنے کی ترغیب بھی دی گئی۔ اسلامی ریاست کی حدود سے باہر بین الاقوامی سطح پر اسلامی ریاست دوسری ایسی ریاستوں کا وجود کھلے دل سے تسلیم کرتی ہے جو اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کی پیروکار ہوں جن کا نظام قانون اور دستور اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب یا تصور پر مبنی ہو اور ان کے ساتھ اسلامی ریاست کا تعلق ایک پر امن اور مسلسل بقائے باہمی کا ہو۔

اس نقطہ نظر سے قرآن پاک پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ قرآن پاک نے ایک عمومی اور اصولی ہدایت مسلمانوں کو دی ہے اور وہ ہدایت یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر جن قوموں سے تعلقات قائم کئے جائیں وہ شہری ریاستیں ہوں، قبائل ہوں، یا آج کل کے دور کی بڑی بڑی ریاستیں ہوں، ان سب کے درمیان تعلقات کو اس اصول کی بنا پر قائم کیا جائے گا جو سورہ ممتحنہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ دوستانہ بین الاقوامی اور بین الملکی تعلقات کے نقطہ نظر سے غیر مسلموں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مخالفین اور غیر مخالفین۔ یہاں مخالفین سے مراد وہ غیر مسلم ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو اللہ کے راستے پر چلنے سے روکا ہو، انہوں نے مسلمانوں کو ان کے گھر بار سے نکالا ہو، مسلمانوں پر جنگیں مسلط کی ہوں، ان کے جان ومال کو تباہ و برباد کیا ہو ان کی عزتیں لوٹی ہوں، ظاہر ہے کہ ایسے کھلے دشمنان انسانیت سے دوستی اور پر امن بقائے باہمی کی بات کرنا عبث اور بیکار ہے۔

دوسرا گروہ غیر مخالفین کا ہے۔ غیر مخالفین سے مراد غیر مسلموں کا وہ گروہ ہے جنہوں نے مسلمانوں کو گھروں سے نہیں نکالا نہ مسلمانوں کو پریشان کیا نہ ان کے دین کے سلسلے میں رخنہ ڈالا اور نہ مسلمانوں سے اس انداز کی دشمنیاں کیں۔ یہ دوسرا گروہ ہے جس کے بارے میں قرآن پاک کی واضح ہدایات یہ ہیں:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ[7]

”جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تمہیں پریشان نہیں کیا اور تم سے مقاتلہ و مقابلہ نہیں کیا، تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اللہ تعالیٰ تم کو اس سے نہیں روکتا کہ تم ان سے بر کا معاملہ رکھو، یعنی نیکی کرو اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کے ساتھ معاملہ کرو“

اس کائنات میں مسلمانوں کے تعلقات دو قسم کے انسانوں سے استوار ہیں:

۱۔ ایک وہ جو وحی کی راہنمائی اور ہدایت کو تسلیم کرتے ہیں۔

۲۔ دوسرے وہ ہیں جو اس راہنمائی کو تسلیم نہیں کرتے اور وحی کے بجائے، اپنی یا دوسرے انسانوں کی عقل اور مشاہدہ سے زندگی کے معاملات چلاتے ہیں۔ غیر مسلموں کو مختلف زمروں (Categories) میں تقسیم کیا گیا جو دارالحرب کے کسی علاقے میں آباد یا کسی علاقے میں فرمانروائی کے منصب پر فائز تھے۔ قرآن پاک نے سارے غیر مسلموں کو ایک ہی زمرے میں شامل قرار نہیں

دیا، بلکہ قرآن مجید میں مختلف غیر مسلموں کے مختلف احکام دیئے گئے ہیں۔ اس سے صاف پتا چلتا ہے سارے غیر مسلم ایک زمرہ میں نہیں آتے۔ مثلاً قرآن پاک نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے زیادہ قریب قرار دیا اور مشرکین کو سب سے زیادہ بعید قرار دیا۔ پھر عرب کے مشرکین کو عام مشرکین کے مقابلہ میں اسلام نے زیادہ دور قرار دیا اور ان کے بارے میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا۔

قرآن پاک کے اس اسلوب کے مطابق بنیادی طور پر غیر مسلموں کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔ پہلی قسم ان غیر مسلموں کی تھی جو اصلاً آسمانی مذاہب کی پیروی کے مدعی تھے۔ یہ اہل کتاب تھے جو اس اعتبار سے مسلمانوں کے قریب اور مسلمانوں کے مشابہ تھے کہ وہ اپنی اپنی جگہ ان بنیادی تصورات اور عقائد کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کرتے تھے جن پر اسلام کی اساس ہے۔ مثلاً وہ توحید، نبوت، آخرت کو مانتے تھے۔ وہ ان انبیاء کرام میں سے بیشتر کو مانتے تھے جن کو قرآن نے بطور نبی تسلیم کیا ہے اور جن کے نام قرآن میں آئے ہیں۔ اس لئے غیر مسلموں کی اقسام میں سب سے پہلے انہیں رکھا گیا۔ اہل کتاب کے بعد دوسرا درجہ ان غیر مسلموں کا رکھا گیا ہے جن کو فقہاء کرام نے شبہ اہل کتاب قرار دیا ہے، یعنی وہ غیر مسلم جو بعض اعتبارات سے اہل کتاب کے مشابہ تھے۔ ایسے غیر مسلموں سے مسلمانوں کا واسطہ رسول اللہ ﷺ ہی کے عہد مبارک میں پڑ چکا تھا۔

اس کے بعد عام کفار کی حیثیت ہے، خواہ وہ بت پرست ہوں یا مشرک ہوں، لیکن کسی نہ کسی مذہب کے قائل ہوں اور کسی نہ کسی رنگ میں خدائے بزرگ و برتر کے ماننے والے ہوں۔ اس کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جو سرے سے کسی خدا کے وجود کے ہی قائل نہیں یا تو بالکل دہری ہیں یا فطرت پرست ہیں اور مذہب کو سرے سے مانتے ہی نہیں۔ سب سے آخری درجہ مشرکین عرب کا ہے، یعنی حضور ﷺ کی وہ قوم جن کو آپ نے براہ راست تئیس سال اپنی زبان اقدس سے دین کی دعوت دی اور انہوں نے اس کو مسترد کر دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی شریعت نے نہایت سخت رویہ اختیار کیا اور ان کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت روا نہیں رکھی۔ ان کے بارے میں تین رویوں کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ ان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ ان تین متبادل رویوں سے ایک رویہ اپنے لئے اختیار کرلیں: یا تو وہ اسلام قبول کرلیں، یا جنگ کے لئے تیار ہو جائیں یا پھر جزیرہ عرب کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ یہ سختی اس لئے روا رکھی گئی کہ جزیرہ عرب کو اسلام کا مرکز حسی اور روحانیت اسلام کا محور بنانا

مطلوب تھا۔ اللہ کی مشیت میں یہ طے کر دیا گیا تھا کہ اب جزیرہ عرب صرف اور صرف دین اسلام کا مرکز ہوگا اور وہاں دوسرے غیر اسلامی اور لادینی نظریات و مذاہب کو باقی رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔ یہ احکام جو مشرکین عرب کے ساتھ خاص تھے۔

اس نظری اور دینیاتی اور ایک حد تک جغرافیائی تقسیم کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کی ایک تقسیم اور ہے۔ یہ دوسری تقسیم اس بنیاد پر ہے کہ بالفعل ان کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کس نوعیت کے ہیں۔ ان کے مذہب اور پالیسی میں اور ان کے فکر میں مسلمانوں کے بارے میں کیا طرز عمل پایا جاتا ہے۔ اس کے لئے پھر کئی ذیلی تقسیمیں ہیں:

ا۔ معاہدین:

سب سے پہلے وہ لوگ ہیں جن کے مسلمانوں کے ساتھ معاہدات اور طے شدہ شرائط کے تحت تعلقات کی نوعیت واضح طور پر طے ہو گئی ہے۔ جس میں دونوں فریقوں کے حقوق اور ذمہ داریاں طے کر لی گئی ہیں اور اقلیت ہونے کی حیثیت سے غیر مسلموں کے اور اکثریت ہونے کے لحاظ سے مسلمانوں کے حقوق و فرائض کا واضح طور پر تعین کر لیا گیا ہے۔ اور معاہدہ کے ذریعہ فریقین کی ذمہ داریاں طے کر لی گئیں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو فقہاء نے معاہدین کے نام سے یاد کیا ہے، یعنی جن کا مسلمانوں سے کوئی معاہدہ ہو چکا ہے اور اس معاہدہ میں فریقین کے فرائض اور ذمہ داریاں (حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے) طے کر لی گئی ہیں۔

۲۔ اہل ذمہ:

دوسرا درجہ ان اہل ذمہ کا ہے جو کسی مفتوحہ علاقہ کے غیر مسلم باشندے ہوں، وہ علاقہ دنیائے اسلام نے فتح کر لیا ہو اور وہاں کے باشندوں نے اپنے مذہب پر قائم رہنا پسند کیا ہو اور وہ اس فتح کے نتیجہ میں اسلامی ریاست کے شہری بن گئے ہوں اور اپنی حفاظت کا بدلہ جزیہ دیتے ہوں۔

۳۔ مُوَادِعین:

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن سے کوئی جنگ ہو رہی ہو اور جنگ کے کسی واضح نتیجہ پر پہنچنے سے قبل اس کے اختتام سے پہلے ہی ان سے کوئی مستقل یا عارضی مصالحت ہو گئی ہو اور فریقین کے

درمیان جنگ بندی ہوگئی ہو۔ صلح کی شرائط پر ان سے معاملات طے کئے گئے ہوں۔ ان کے لئے عموماً اہل صلح یا مواد عین کی اصطلاح استعمال کی جاتی رہی ہے۔

ان سب قسموں کے الگ الگ احکام ہیں۔ ان میں سے بعض کے احکام قرآن پاک میں دیئے گئے ہیں، مثلاً قرآن پاک میں اہل کتاب کے ذبیحہ کو جائز قرار دیا گیا ہے، یا مثلاً اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض احکام رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے۔

باہمی تعلقات کی اساس:

اسلام، مسلمانوں کو باہم اعلیٰ اخلاقی رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے، انھیں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتا ہے، ان کے باہم اخلاقی اور قانونی حقوق مقرر کرتا ہے، ان کے درمیان تعاون و تناصر کا جذبہ بیدار کرتا ہے، اور انھیں ایک نظام حیات دے کر ایک امت بناتا ہے اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی فراموش نہیں ہونی چاہیے کہ اسلام نے اس امت کو ایک اعلیٰ نصب العین دیا ہے، وہ یہ کہ وہ دنیا میں خدائے واحد کے دین کے علم بردار بن کر اُٹھے، انسانوں کو ان کی دنیا اور آخرت کی فلاح وہدایت کا پیغام دے، دنیا میں خیر کو عام کرے، بھلائیوں کو پھیلائے اور برائیوں کو مٹائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ[8]

”تم بہترین امت ہو، تم لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو“

قرآن و سنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں سے تعلقات اور بقائے باہمی کی اساس و بنیاد درج ذیل اصول ہیں

ا۔ شرف انسانیت وعظمت آدمیت:

عظمت آدمیت اور تکریم انسانیت اسلام کی تعلیمات کے اہم جزء ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ[9] ”اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت دی“

اسلام بلا تفریق رنگ و نسل، علاقہ و زبان، مذہب و ملت تمام انسانوں کو شرف انسانیت کے بلند مقام پر فائز کرتا ہے۔ اور بحیثیت انسان اس کی قدر و منزلت اور اس کے حقوق کا لحاظ رکھتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا[10]

"کسی شخص نے ایک نفس کو قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا"

اس طرح انسانیت کی عظمت و وقار کی بحالی اور توقیر کو یوں بیان فرمایا کہ:

وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا[11]

"جس کسی نے ایک انسان کو زندہ کیا گویا اُس نے پوری انسانیت کو زندہ کیا"

اسلام دیگر مذاہب اور اقوام کے ساتھ باہمی تعلقات کی اساس میں انسانی قدروں اور حرمت انسانیت کو ایک بنیادی عنصر قرار دیتا ہے۔

۲۔عدل:

مسلمانوں کو تمام معاملات میں دیانت داری اور انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔خواہ معاملہ اپنے دشمنوں کا ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ[12]

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تمھیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

عدل و انصاف کا تصور اسلام کا ایک اساسی اصول ہے۔لہٰذا اسلام عدل و دیانتداری کے تعلق سے غیر مسلموں سے بقائے باہمی میں جاری رکھنا چاہتا ہے۔چاہے اس کا تعلق افراد، کسی گروہوں یا ریاستوں سے ہی کیوں نہ ہو۔

۳۔امن، امداد باہمی اور تعاون:

امن و سلامتی اور باہمی تعاون و ہمدردی بھی ایک اہم اساسی اصول ہے جو باہمی تعلقات کے استحکام اور پائیداری میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ[13]

''جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے''

''البر'' قرآن پاک کی ایک جامع اور معروف اصطلاح ہے جس میں معاشرتی بھلائیوں کا ایک ایسا جامع نقشہ دیا گیا ہے جس میں رفاعی معاشرہ کے سارے پہلو شامل ہیں۔ سورۃ بقرہ میں ایک جگہ اس کے بہت سے پہلو ذکر کئے گئے ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ[14]

اس آیت سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ معاشرتی سطح پر انسانوں کی فلاح و بہبود کے تمام اقدامات بر میں شامل ہیں۔ انسانوں کی زندگی کو بنانے اور سنوارنے کے سارے اعمال اور انسانوں کی عمومی خدمت انجام دینا یہ سب باتیں سورہ بقرہ کی اس آیت کی روشنی میں بر کی مختلف صورتیں ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے تعاون علی البر اور باہمی امداد اور خدمت انسانیت کے ان تصورات کو اپنے کئی ارشادات میں ذکر کیا ہے۔

۴۔ عہد کی پاسداری و تکمیل:

باہمی تعلق میں ایک اور اہم اساسی اصول عہد کی پاسداری اور تکمیل ہے۔ اسلام مسلمانوں پر یہ اخلاقی فریضہ عائد کرتا ہے کہ وہ انفرادی حیثیت میں بھی اور اجتماعی سطح پر بھی اپنے تمام شخصی، قولی، اور بین الاقوامی معاہدوں (عہود) کی پاسداری کریں، قرآن کی متعدد آیات ہیں جن میں مسلمانوں کو اپنے عہد و اقرار کی پاسداری کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا[15]

''اور عہد کی پاسداری کرو بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا''

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ[16]

"اے ایمان والو عہد کو پورا کرو"

اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ[17]

"وہ اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی نگہداشت کرتے ہیں"

اسلام نے عہد شکنی کو جرم عظیم قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ[18]

اسلامی ریاست میں تمام افراد کو مذہبی اور گروہی تعصبات سے آزاد جمہوری خطوط پر حقوق و فرائض کے مابین دوطرفہ تعلق کی بنیاد پر شہری حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ عوام کے جملہ گروہوں کی فلاح و بہبود اور ان کے مختلف نظام ہائے قانون کا پاس و لحاظ اور ان کے تعلق سے فرض شناسی، افراد اور گروہوں کے حقوق و فرائض کی مخلصانہ بجا آوری کی واحد ضمانت ہے۔ مذہب اور نظریات کی آزادی، جس کے ساتھ عمل اور اظہار کے پر امن اور شائستہ وسائل موجود ہوں، صحت مند پائیدار، وسعت پذیر اور ترقی کی طرف قدم بڑھانے والے معاشروں کے لیے ناگزیر حیثیت رکھتی ہے۔

۵۔ عدم اکراہ اور حریت فکر:

دین اسلام، امن و سلامتی کا دین ہے اس میں جبر و تشدد نہیں۔ یہ اپنی بات افہام و تفہیم، دلیل برہان، وعظ و نصیحت اور بحث و گفتگو کے ذریعہ دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیتا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔(لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ[19])"دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں"

ایک اور جگہ فرمایا:

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا[20]

"بے شک ہم نے انسان کو راستہ دکھایا اب وہ چاہے شکر گزار بنے یا (ناشکرا) اور کافر"

سورہ کہف میں ارشاد ہے: وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ[21]

"اور اے رسول ﷺ کہہ دیجیے، حق تمہارے رب کی طرف سے آچکا ہے پس جو چاہے اس پر ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے"

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور نہیں پیدا کیا بلکہ اختیار اور آزادی سے نوازا ہے۔

اپنے رسولوں کے ذریعے حق و باطل کو واضح کیا اور انسان کو پوری آزادی دی ہے کہ ان میں سے جو راہ چاہے اختیار کرے، اسلامی ریاست کسی ذمی یا مستعامن کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ اگر کسی کو مجبور کیا گیا اور اس نے مجبوری کی حالت میں اسلامی کا اظہار کیا تو اس کا اعتبار نہیں ہو گا۔

عدم اکراہ کے ساتھ ساتھ دین اسلام دیگر مذہب کے مکمل احترام کی تعلیمات دیتا ہے۔ اسلام نے شرک کی مذمت کی ہے۔ اس کے باوجود مشرکین کے معبودوں کو، جنہیں وہ معبودان باطل سمجھتا ہے ان کو گالی دینے سے منع کیا ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ[22]

"یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں تم انہیں برا بھلا نہ ہو۔"

دوسری طرف تعلیم دی گئی کہ احسن طریق سے ان سے برتاؤ کیا جائے، تہذیب شائستگی اور حسن خلق سے ان کے دل جیتنے کی کوشش کی جائے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ[23]

نیکی اور بدی یکساں نہیں، تم بدلا دفع کرو اس طریقہ سے جو احسن ہو، پھر تم دیکھو گے کہ تمہارے اور جس شخص کے درمیان دشمنی سے گویا جگری دوست ہے۔

قرآن حکیم نے یہ تعلیم دی ہے کہ جتنے انبیاء و رسل تشریف لائے، اور جو ان پر کتابیں نازل ہوئیں ان سب میں توحید کی تعلیم دی گئی اور شرک کی تردید کی گئی ہے۔ اس بنیاد پر اہل کتاب سے کہا گیا کہ توحید تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک کلمہ ہے، آؤ ہم سب مل کر اس پر عمل کریں اور اس کے تقاضے پورے کریں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ[24]

اے رسول ﷺ کہہ دیجیے: اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، وہ یہ کہ ہم بندگی نہیں کریں گے مگر صرف اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔

۶۔ غیر جانبداری:

غیر جانبداری کی اسلامی اصطلاح کے لئے جدید عربی میں حیادۃ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، جبکہ قبل از اسلام اور صدر اسلام میں اس کے لئے اعتزال کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی، جس کے معنی الگ ہو جانے کے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا[25]

یعنی اگر لڑنے والے الگ ہو جائیں(اعتزال کے معنی یہاں دو متحارب فریقوں کے بارے میں کسی تیسرے فریق کا الگ ہونا) اگر وہ تمہارے دشمنوں کے درمیان ہونے والی کشمکش سے الگ ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہارے ساتھ مسالمہ (باہم امن وسلامتی) کے تعلقات رکھیں تو پھر اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ فَمَا جَعَلَ اللهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے خلاف جنگ کرنے کا اختیار نہیں دیا۔ اس سلسلے کی دوسری آیت سورہ نساء میں ہے کہ اگر وہ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے باہمی محاربہ سے الگ نہ ہوں اور تمہارے ساتھ سلامتی کے تعلقات قائم کرنے کی پیشکش نہ کریں اور لڑائی سے ہاتھ نہ کھینچیں تو پھر ان سے جنگ کرو اور جیسے اور جہاں موقعہ ملے ان کو کیفر کردار تک پہنچاؤ۔ ان لوگوں کے خلاف لڑنے کے لئے تمہیں کھلی اجازت (سلطانا مبینا) حاصل ہے۔

سلطان مبین کے معنی مترجمین قرآن نے کھلی سند، صریح اجازت، صاف گرفت، صاف حجت وغیرہ کے کئے ہیں جس سے یہی پتا چلتا ہے کہ اس صورت میں ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کی کھلی اور مکمل اجازت ہے۔

اس پورے سلسلہ بیان میں اعتزال کا لفظ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور دونوں جگہ دو متحارب فریقین کے درمیان غیر جانبداری کے مفہوم میں آیا ہے۔ اس کی بنیاد پر یہ اصول بن گیا کہ اگر کوئی

ریاست مسلمانوں کے بارے میں غیر جانبدار رہنا چاہتی ہو، یعنی مسلمانوں کے اور غیر مسلموں کے محاربے میں الگ رہنا چاہتی ہو وہ ان تین شرائط کے ساتھ رہ سکتی ہے کہ:

(۱)۔ وہ مسلمانوں سے جنگ نہ کرے۔

(۲)۔ مسلمانوں کے دشمنوں سے الگ رہے۔

(۳)۔ اور مسلمانوں کے ساتھ پر امن تعلقات رکھے۔

(۴)۔ ایک چوتھی شرط جو خود بخود (Understood) ہے جس کے بارے میں دوسری نصوص میں واضح ہدایات ہیں وہ یہ کہ اس انتظام سے اسلام اور کلمۃ اللہ کی سربلندی پر زد نہ پڑے اور اسلام اور مسلمانوں کے وقار پر حرف نہ آئے۔ اگر یہ شرائط پوری ہوں تو پھر ان چیزوں کی پابندی ملحوظ رہے گی۔ یہ وہ دو بنیادی آیات ہیں جن سے فقہائے کرام نے غیر جانبداری کے اصول کی بابت استدلال کیا ہے۔ ان آیات کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے دور کے متعدد واقعات اور آپ کے کئے ہوئے کئی معاہدے ایسے ہیں جن سے بین الاقوامی تعلقات میں غیر جانبداری کی مزید تفصیلات ملتی ہیں اور جن کو انہی احکام و نظائر کی بنیاد قرار دیتے ہوئے فقہائے کرام نے بین الاقوامی قوانین اور تعلقات کے باب میں غیر جانبداری کے دیگر احکام مرتب کئے ہیں۔

سیرت طیبہ سے ایسی کئی مثالیں اور نظائر ملتے ہیں، جن کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف قبائل سے امن و صلح کے معاہدے اس لحاظ سے کئے کہ دونوں فریقین کسی گروہ کے خلاف غیر جانبدار رہیں گے۔

۲ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے بنی ضمرہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ بنی ضمرہ کے سردار سے کیا جانے والا یہ معاہدہ دوستی اور غیر جانبداری کا نہایت واضح معاہدہ ہے۔ معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں: عَلَى أَنْ لَا يَغْزُوَ بَنِي ضَمْرَةَ وَلَا يَغْزُوهُ، وَلَا يُكَثِّرُوا عَلَيْهِ جَمْعًا، وَلَا يُعِينُوا عَدُوًّا[26]۔

آپ ﷺ بنی ضمرہ سے جنگ نہ کریں گے اور نہ یہ آپ ﷺ سے جنگ کریں گے۔ اور آپ ﷺ کے خلاف گروپ بندی میں کسی کے شریک نہیں ہوں گے اور نہ ہی آپ ﷺ کے خلاف دشمن کی مدد کریں گے۔

اس معاہدے سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست اپنے پر امن اور صلح جو غیر مسلم پڑوسیوں سے غیر جانبداری کا معاہدہ کر سکتی ہے۔

بنی ضمرہ قبیلہ کی ایک شاخ بنی عہد بن عدی نے بھی آپ سے غیر جانبداری کا معاہدہ کیا۔ یہ مکہ میں حدود حرم کے پاس رہتے تھے۔ انھوں نے بھی ایک وفد بھیج کر رسول اللہ ﷺ سے یہ پیشکش کی کہ قریش کے ساتھ مصالحانہ تعلقات رکھتے ہوئے بھی یہ مسلمانوں کے دوست رہنا چاہتے ہیں اور قریش سے جنگ کی ایک چیز کو مستثنیٰ کرتے ہوئے باقی ہر طرح مسلمانوں کے حلیف بننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اُن کی اس پیشکش کو قبول کیا۔[27]

بنی ضمرہ کی ایک اور شاخ جو کہ غیر مسلم تھی ان سے معاہدہ حلیفی کیا۔ اس کی ایک شق یہ ہے:

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمَنِ الرَّحِيمِ هَذَا كِتَابٌ مِنۡ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ لِبَنِي ضَمۡرَةَ فَإِنَّهُمۡ آمِنُونَ عَلَى أَمۡوَالِهِمۡ وَأَنۡفُسِهِمۡ وَأَنَّ لَهُمُ النَّصۡرَ عَلَى مَنۡ رَامَهُمۡ إِلَّا أَنۡ يُحَارِبُوا فِي دِينِ اللهِ مَا بَلَّ بَحۡرٌ صُوفَةً وَإِنَّ النَّبِيَّ إِذَا دَعَاهُمۡ لِنَصۡرِهِ أَجَابُوهُ عَلَيۡهِمۡ بِذَلِكَ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ وَلَهُمُ النَّصۡرُ عَلَى مَنۡ بَرَّ مِنۡهُمۡ وَاتَّقَى[28]

یعنی ان کے لئے نبی ﷺ کی مدد عند الطلب ضروری ہے البتہ وہ اگر دینی جنگ میں غیر جانبدار رہنا چاہیں تو انھیں اجازت ہے۔ مدینہ کے یہودیوں کو بھی دستور مدینہ میں یہ حق دیا گیا ہے کہ الا من حارب فی الدین [29]۔

رحمت عالمین کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی اقدامات:

داخلہ و خارجہ تعلقات اور بقائے باہمی کے ضمن میں اللہ کے رسول ﷺ نے درج ذیل اقدار کی پاسداری اور ان کی تقسیم بھی دی:

۱۔ جارحانہ روش (عدوان) سے اجتناب

۲۔ جورو استبداد (طغیان) سے احتراز

۳۔ بگاڑ اور کرپشن (فساد) سے بیزاری

۴۔ حد سے تجاوز (اسراف) سے گریز۔

یہ اقدار حقیقی معنوں میں اعتدال، میانہ روی اور ضبط نفس کو فروغ دیتی ہیں۔ یہ اقدار ارباب اختیار کے لئے کسی خاص روش عمل کی حدود کو ملحوظ رکھنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں اور اصل مقاصد اور ان کی تحصیل کے رسائل کے درمیان حقیقی تعلق کو سمجھنے میں کوتاہ نظری سے محفوظ رکھتی ہیں۔ یہ بنیادی اقدار جن کے عمل نمونہ آپ ﷺ نے پیش فرمائے۔

آقا دو جہاں سرور کائنات، محسن انسانیت کی بعثت بطور رحمت عالم ہوئی۔ آپ ﷺ کا مرتبہ رحمت، مسلمان و غیر مسلم، سب پر یکساں، غیر مسلموں سے حسن سلوک، صلح رحمی، ہمدردی و تعاون اور خدمت خلق کے حوالے سے اگر سیرت طیبہ کا مطالبہ کیا جائے تو اس کی سینکڑوں مثالیں ملیں گی۔ یہاں چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱۔ آپ ﷺ نے اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ ہمیشہ صلہ رحمی کا سلوک کیا، اور صحابہ کرام کو بھی اور پوری امت کو بھی اس کی تعلیم دی، آپ ﷺ اپنے چچا جناب ابو طالب کا بہت احترام کرتے تھے، حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ فرماتی ہیں کہ:

”میری ماں جو مشرکہ تھیں مجھ سے ملنے آئیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ مجھ سے کچھ توقع لے کر آئی ہیں۔ کیا میں ان کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کر سکتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو،[30] ایک اور روایت سے معلوم ہوتا کہ وہ بطور تحفہ پنیر اور مکھن لاتی تھیں لیکن حضرت اسماء نے انہیں اپنے گھر میں آنے کی اجازت دینے اور ان کا تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرایا تو آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ وہ ان کا تحفہ قبول کرلیں اور اپنے گھر میں آنے دیں[31]۔

۲۔ جنگ بدر میں مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنائے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو صحابہ کرامؓ کے درمیان تقسیم کر دیا اور نصیحت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔[32]

آپ ﷺ غیر مسلموں کو بھی دعا دیتے تھے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے پینے کی کوئی چیز طلب کی اس نے وہ پیش کی تو آپ ﷺ نے اسے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حسین و جمیل رکھے، چنانچہ مرتے وقت تک اس کے بال سیاہ رہے[33]

آپ ﷺ کا یہ بھی معمول رہا کہ آپ بہ نفس نفیس غیر مسلم اشخاص کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے[34]

فقہ حنفی میں عمومی انداز میں کہا گیا ہے:

ولا بأس بعيادة اليهودي والنصراني لانه نوع برفي حقهم وما نهينا عن ذلك[35]

یہودی اور نصرانی کی عیادت میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ یہ ان کے حق میں ایک طرح کی بھلائی اور حسن سلوک ہے اس سے ہمیں منع نہیں کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں سے تحائف قبول کرتے اور ان کو تحفے دیتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلم سلاطین اور سربراہان مملکت نے تحفے پیش کیے اور آپ ﷺ نے قبول فرمائے۔

عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ كِسْرَى أَهْدَى لَهُ، فَقَبِلَ، وَأَنَّ الْمُلُوكَ أَهْدَوْا إِلَيْهِ، فَقَبِلَ مِنْهُمْ[36].

غزوہ تبوک ۹ھ میں ہوا، حضرت ابو حمید ساعدی اس کے واقعات کے ذیل میں بیان کرتے ہیں کہ آیلہ کے بادشاہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ ایک سفید خچر پیش کیا اور ایک چادر پہنائی، (اس نے آپ ﷺ سے مصالحت کی اور جزیہ ادا کیا) آپ ﷺ نے اس کے علاقہ پر اس کا قبضہ باقی رکھا[37]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے مکہ روانہ ہوئے لیکن حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، اس پر آپ ﷺ کے اور مشرکین مکہ کے درمیان صلح ہوئی، اس معاہدہ صلح کی بعض دفعات یہ تھی:

فریقین کے درمیان دس سال کے لیے جنگ بندی رہے گی تاکہ دونوں طرف کے لوگ امن کے ساتھ رہ سکیں۔ اس مدت میں ایک دوسرے کے خلاف کسی بھی جنگی اقدام سے احتراز کیا جائے گا۔ اور کسی قسم کی خفیہ حرکت یا سازش نہیں ہوگی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حدیبیہ سے مدینہ لوٹ جائیں گے اور عمرہ نہیں کریں گے اور آئندہ آپ ﷺ کے ساتھی عمرہ کے لیے آئیں گے۔ صرف تین دن مکے میں قیام کر سکیں گے۔ وہ غیر مسلح ہوں گے تلواریں نیام میں ہوں گی، کسی سوار کا جو ضروری سامان ہوتا ہے اس کے علاوہ کوئی چیز اس کے ساتھ نہ ہو گی۔

مکہ کے کسی فرد کو آپ ﷺ اپنے ساتھ نہیں لے جا سکیں گے البتہ آپ ﷺ کے ساتھیوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہیے تو آپ ﷺ اسے نہیں روکیں گے۔[38]

امام ابو یوسف نے یہ معاہدہ بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اس کے شروع میں لکھتے ہیں:

قد وادع رسول الله صلى الله عليه وسلم قريشا عام الحديبية وامسك عن محا ربتهم فللامام ان يوادع اهل الشرك اذا كان ذلك صلاح الدين والاسلام وكان يرجوا ان يتالفهم بذلك على الاسلام[39]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال قریش سے صلح کی اور ان سے جنگ سے دست کش ہو گئے۔ لہذا امام کو یہ حق ہے کہ وہ اہل شرک سے مصالحت کرے، اگر اس میں دین اور اسلام کی بہتری ہو اور یہ توقع ہو کہ وہ اس کے ذریعہ انہیں اسلام سے مانوس اور قریب کر سکے گا۔

۴۔ معاہدہ امن و تعاون:

ہجرت کے بعد مدینہ پہنچنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مختلف قبائل کو ایک معاہدے کا پابند بنایا، اسی کے ساتھ آپ نے یہود سے بھی معاہدہ فرمایا، یہود سے متعلق جو باتیں طے ہوئیں اس کے بعض اجزاء یہ ہیں۔

یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم ہیں، یہود کے لیے ان کا اپنا دین اور مسلمانوں کے لیے ان کا اپنا دین ہو گا۔ یہود کے جن سے گہرے تعلقات ہیں وہ بھی ان ہی میں شمار ہوں گے۔ یہود اپنا خرچ اور مسلمان اپنا خرچ برداشت کریں گے، جو شخص اس صحیفے میں شامل طبقات کے خلاف جنگ کرے گا اس کے مقابلے میں ان کے درمیان تعاون ہو گا۔ ان کے درمیان خیر خواہی کا تعلق ہو گا، بدی کی راہ میں رکاوٹ ہوں گے۔ کوئی بھی شخص اپنے حلیف کے ساتھ غلط رویّہ اختیار نہیں کرے گا۔ جو مظلوم ہو گا اس کی حمایت کی جائے گی۔[40]

الغرض پر امن بقائے باہمی اور مشترکہ اصولوں پر اتفاق کرنے کی دعوت قرآن حکیم نے دی، اس نے اہل کتاب کو ایک مشترک کلمہ پر جمع ہونے کی دعوت دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہم عصر قریبی کتابی حکمرانوں اور اقوام سے پر امن بقائے باہمی کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔ مدینہ کے یہودیوں سے تحریری معاہدے ہوئے۔ فریقین کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین ہوا، لیکن یہودیوں نے ایک ایک کرکے معاہدوں کو توڑا۔ آپ ﷺ نے نجران، حبشہ اور حدود شام کے متعدد عیسائی حکمرانوں اور امراء سے مفاہمت کی اور معاہدے کیے ان سب میں حبشہ سے ہونے والا معاہدہ صدیوں تک قائم رہا گویا بین الاقوامی سطح پر پر امن بقائے باہمی اور دوستانہ روابطہ کا حبشہ ماڈل کامیاب ترین ماڈل تھا جو ایک ہزار برس سے بھی زیادہ قائم رہا۔

نتائج بحث

- اسلام عالمگیر مذہب ہے اس لیے وہ ناصرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں سے تعلقات کے اصول وضوابط بھی وضع کرتا ہے۔
- اسلام نے مسلم اور غیر مسلم اقوام سے تعلقات کی اساس کے حوالے سے درج ذیل بنیادی اصول دیئے ہیں:
- شرف انسانیت وعظمت آدمیت
- عدل وانصاف
- امن، امداد باہمی وتعاون
- عہد کی پاسداری اور تکمیل
- عدم اکراہ اور حریت فکر
- غیر جانبداری

اسلام ان مذکورہ بالا بقائے باہمی کے اصولوں کو مدنظر رکھا جائے تو آج کے دور میں تہذیبوں کے تصادم سے بچا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات و تعلیقات

1۔ الاعراف،۷:۱۵۸

2۔ المزمل،۷۳:۱۰

3۔ الزخرف،۴۳:۸۹

4۔ الحجر،۱۵:۸۵۔۸۶

5۔ حم سجدہ،۳۲:۳۴۔۳۵

6۔ سید جلال الدین عمری، غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، علی گڑھ،:۱۸

7۔ الممتحنہ،۲۰:۸

8۔ آل عمران،۳:۱۲۵

9۔ الاسرا،۱۷:۶۹

10۔ المائدہ،۳۲:۵

11۔ ایضا

12۔ ایضا:۸

13۔ ایضا:۲

14۔ البقرۃ،۲:۱۷۷

15۔ الاسراء۱۷:۳۴

16۔ المائدہ۵:۱

17۔ المومنون۲۳:۸

18۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح ،کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب اثم الغادر للبر والفاجر، رقم الحدیث۳۱۸۶

19۔ البقرۃ۲:۲۵۶

20۔ الدہر۷۶:۳

21۔ سورۃ الکھف ۱۸:۲۹

22۔ الانعام ۶:۱۰۸

23۔ فصلت ۴۱:۳۴

24۔ آل عمران ۳:۶۴

25۔ النساء ۴:۹۰

26۔ شامی، امام یوسف الصالح، سبل الھدی، بیروت، ۴:۱۴

27۔ سہیلی، عبد الرحمن، امام، الروض الانف، ۴:۱۵

28۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، الوثائق السیاسۃ، وثیقہ نمبر ا

29۔ میثاق مدینہ، دفعہ نمبر 45

30۔ ابن حجر، فتح الباری ۵:۲۳۳

31۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الھبہ باب الہدیۃ للمشرکین

32۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲:۲۵۶

33۔ عبد الرزاق، المصنف: ۱۰:۳۹۲

34۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب اذا سلم الصبی فمات

35۔ ہدایہ ۴:۲۷۴

36۔ ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی قبول ہدایا المشرکین

37۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب حزص التمر

38۔ البخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ الحدیبیہ، مسلم کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیہ

39۔ امام ابویوسف کتاب الخراج،:۲۰۷

40۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲:۱۱۹

صارفین کے حقوق: معاصر پاکستانی قوانین اور سیرت نبوی ﷺ کا تقابلی مطالعہ

ڈاکٹر ابظاہر خان

(اسسٹنٹ پروفیسر، علوم اسلامیہ، جامعہ عبد الولی خان، مردان)

رحیم داد

(ایم فل ریسرچ اسکالر، علوم اسلامیہ، جامعہ عبد الولی خان، مردان)

Abstract:

In order to protect consumer rights, the government has made regular legislation on national and provincial level. In which the rights of the consumers are clearly explained. These rules are contemporary and comprehensive, those who are more likely to ensure the protection of consumer rights. With the help of these laws, different issues and conflicts of consumers can be resolved.

The Sharia, the rights reserved for the users/consumers are also of a wide variety.

In this article first the contemporary laws of Pakistan about the consumers protections has been explained and then in the lights of Saying of Muhammad (PBUH) the rights of users and consumers have been mentioned in details, in the last the comparison of the both laws is presented.

Keywords: Islam, Consumers, Rights, Seerat, Shariat.

تعارف:

صارفین کے حقوق کے تحفظ کے لئے حکومت پاکستان نے قومی اور صوبائی سطح پر باقاعدہ قانون سازی کی ہے۔ جس میں صارفین کے حقوق کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ قوانین عصر حاضر میں نافذ اور جامع بھی ہیں۔ جو صارفین کے حقوق کی تحفظ کو یقینی بنانے میں مد ثابت ہوتے ہیں۔ ان قوانین کی مدد سے صارفین کے مختلف مسائل اور تنازعات کو بآسانی حل کیا جا سکتا ہے۔ شریعت مطہرہ نے جو حقوق صارفین کے لئے بیان کئے ہیں وہ بھی جامع نوعیت کے ہیں۔ ذیل میں دونوں کا موازنہ مختصر انداز میں پیش کیا جائے گا۔

پاکستانی قوانین میں صارفین کے حقوق کے تحفظ کے لئے قانون سازی کے عمل کا تعارفی و تجزیاتی مطالعہ:

1۔ اسلام آباد کنزیومر پروٹیکشن ایکٹ ۱۹۹۵ء کا تعارف:

حکومت پاکستان نے سب سے پہلے قومی سطح پر صارفین کے حقوق کے تحفظ کے لئے قانون سازی کا عمل شروع کیا۔ ۱۹۹۵ء میں پہلا ایکٹ پاس کیا جس کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

الف: ایکٹ کا نام: اسلام آباد کنزیومر پروٹیکشن ایکٹ ۱۹۹۵ء

ب: ایکٹ کا مقصد: صارفین کے حقوق کے تحفظ کے لئے اقدامات کرنا

ج: دائرہ کار (حدود): اسلام آباد (یہ ایکٹ اسلام آباد سے متعلق علاقوں میں نافذ العمل ہوگا)

د: اختیارات: کورٹس آف سیشن اسلام آباد

ذ: صارف سے مراد:

i۔ خریداری اشیاء بالخصوص ادائیگی جو اداشدہ ہو یا وعدہ شدہ ہو یا کچھ کا وعدہ ادا کرنے کا کیا ہو یا کسی نظام کے تحت بعد ادائیگی مستعار لینا خریدنا ہو اور بشمول استعمال کنندہ لیکن ایسا شخص شامل نہ ہوگا جو تجارتی مقصد کے لئے اشیاء بعد از خرید دوبارہ فروخت کرتا ہو۔

ii۔ کرایہ، اجرت پر سامان یا خدمات بابت غور اداشدہ یا وعدہ شدہ یا جزوی وعدہ بابت ادائیگی یا ایسے نظام بابت ادائیگی بشمول کرایہ پر خریدنا یا لیزنگ اور بشمول فائدہ وظیفہ خدمات۔[1]

صارفین کے حقوق کے تحفظ کے لئے کئے گئے قانونی اقدامات کا خلاصہ:

صارفین کی آسانی کے لئے قومی اسمبلی نے جو مذکورہ بل پاس کیا ہے اس کا بنیادی مقصد صارفین کے حقوق کا تحفظ ہے۔ اس غرض کے لئے مندرجہ ذیل قانونی نکات ذکر کئے گئے ہیں تاکہ واضح رہے کہ کونسا عمل و طریقہ کار ممنوع تصور ہو گا جس کا کرنا جرم بھی ہو گا اور جس کے کرنے سے صارفین کے حقوق کی پامالی بھی لازم آئے گی۔

ناواجب تجارتی عمل کا مفہوم:

وہ کاروبار یا پیشہ جو صارفین کے لئے نقصان کا باعث بنتا ہو ایسے کاروبار یا پیشہ کو "ناواجب تجارتی عمل" کہا جاتا ہے۔ جس کے لئے ایکٹ میں مندرجہ ذیل ہدایات مذکور ہیں:

- ایسی جھوٹی نما اشیاء یا خدمات نمائندگی جس سے یہ سمجھا جائے کہ وہ چیز یا خدمات کسی خاص معیار مقدار بوجہ قسم ملاوٹ یعنی اس میں کوئی چیز مخفی لکھی گئی ہو۔
- کوئی ایسی چیز جس کو دوبارہ مرمت کیا گیا ہو اور اس کو نئی چیز کے داموں فروخت کیا جارہا ہو یا ظاہر کیا جارہا ہو کہ یہ نئی چیز ہے۔
- ایسی جھوٹی نمائندگی جو عام کمپنی کو خاص ظاہر کیا جائے۔ جو معیاری نہ ہو بس ظاہر کیا گیا ہو۔
- ایسی غلط نمائندگی جس کے ذریعے یہ ظاہر کیا گیا ہو کہ کسی چیز کا استعمال انتہائی ضروری ہو۔
- عوام کو غلط وارنٹی / گارنٹی دینا
- غلط طور پر مکان / گھر وغیرہ فروخت کرنا جس میں مخصوص سہولیات موجود نہ ہو۔
- عوام کو غلط یقین دہانی کرانا
- ایسے نجی تعلیمی ادارے جو قومی یا بین الاقوامی مجاز اتھارٹی سے منظور شدہ نہ ہو اور تشہیر کریں کہ وہ منظور شدہ ہیں۔
- غلط نمائندگی کہ ماہرین کی خدمات کی سہولیات میسر ہیں مثلاً ڈاکٹرز، انجنیئرز، حکماء وغیرہ
- ایسے غلط حقائق کسی دوسرے ادارے یا فرم کے بارے میں پیش کرنا جس وہ سے بدنام ہو۔
- بذریعہ خط / اشتہار ضروریات زندگی یا خدمات کی غلط تفصیلات بیان کرنا[2]

کونسل کے قیام کی منظوری:

اسلام آباد کنزومر پروٹیکشن ایکٹ ۱۹۹۵ء سیکشن ۳ کے تحت صارفین کے حقوق کی تحفظ کے لئے کنزومر پروٹیکشن کونسل، اسلام آباد کے قیام کو عمل میں لایا گیا۔ جو ۱۲ ارکان پر مشتمل ہو گئی۔ فیڈرل

گورنمنٹ باقاعدہ نوٹیفیکیشن کے مطابق ایکٹ کے اصولوں کو مد نظر رکھ کر چیئرمین کا انتخاب کریں گی۔ کونسل باقاعدگی کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کا خیال رکھی گی اور صارفین کی شکایات کو حاصل کرکے اس کو اپنی ماہرانہ رائے سے آگاہ کرے گی اور ان کی ممکن مدد کے لئے اپنی کوششوں کا دائرہ وسیع کرے گی۔ اس کونسل کا بنیادی مقصد حکومت، صارفین اور مارکیٹ کے درمیان ربط پیدا کرنا ہے تاکہ تینوں اپنے حقوق اور ذمہ داریوں سے آگاہ رہیں۔[3]

شکایات کی وصولی اور سزائیں:

کنزومر پروٹیکشن کونسل شکایات وصول کرے گی اور اس پر عمل درآمد کے لئے متعلقہ حکام تک پہنچائے گی۔ اگر ایکٹ کے سیکشن ۷ کے مطابق کوئی جھوٹے اشتہارات شائع یا سیکشن ۵ میں مذکورہ صورتوں میں کوئی بھی صورت اختیار کرے گا تو ان کو دو سال قید یا چالیس ہزار کا جرمانہ یا دونوں سزاؤں کا نفاذ ہو سکتا ہے۔

اسلام آباد کنزومر پروٹیکشن ایکٹ ۱۹۹۵ء میں قومی اسمبلی نے ۲۰۱۱ء دوبارہ کچھ اضافہ کیا۔ جنوری ۲۰۱۲ء میں اس کا نوٹیفیکیشن جاری کر دیا۔[4]

2۔ دی پنجاب کنزومر پروٹیکشن ایکٹ ۲۰۰۵ء کا تعارف:

مذکورہ ایکٹ صارفین کے حقوق کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ جس کا ذیل میں مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے:

اس ایکٹ کے چھ بنیادی حصے ہیں:

حصہ اول: ابتدائیہ

الف: ایکٹ کا نام: دی پنجاب کنزومر پروٹیکشن ایکٹ ۲۰۰۵ء

ب: دائرہ کار: صوبہ پنجاب

ج: اتھارٹی: ڈی سی او (ڈسٹرکٹ کوارڈنیٹر آفیسر) یا حکومت جس کو اختیار دے دے۔

د: صارف: ایکٹ میں صارف کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے:

i۔ بعوض بدل کوئی مصنوعہ چیز خرید تا ہے یا پٹہ پر لیتا ہے اور بشمولہ مصنوعہ چیز کا استعمال کنندہ شامل ہے لیکن وہ شخص شامل نہیں جو دوبارہ فروخت یا کسی مقصد کے لئے کوئی مصنوعہ شے حاصل کرتا ہے اس میں شامل نہ ہو گا۔

ii۔ بعوض بدل کوئی خدمات کرایہ پر لیتا ہے اور ایسی خدمات کا کوئی مستفید شامل ہے۔[5]

حصہ دوم: ناقص اشیاء سے پیدا ہونی والی ذمہ داری

- ناقص اشیاء کی ذمہ داری
- بناوٹ یا آمیزش میں نقص
- نمونہ میں نقص
- ناقص بوجہ نامناسب تنبیہ ناقص بوجہ واضح ورانٹی سے عدم مطابقت
- مینوفیکچرر کے علم کا ثبوت
- ہرجانہ دینے پر پابندی
- فرض انکشاف
- ذمہ داری سے استخراج پر ممانعت[6]

حصہ سوم: ناقص اور غلط خدمات سے پیدا ہونی والی ذمہ داری

- فراہمی خدمات کا معیار
- ہرجانہ ادا کرنے پر پابندی
- فرض انکشاف
- ذمہ داری سے استخراج پر ممانعت[7]

حصہ چہارم: مینوفیکچرز کی ذمہ داریاں

- مقام کاروبار پر قیمتوں کا نمایاں ہونا
- خریدار کو رسید کا جاری کرنا
- واپسی اور رقم لوٹانے کی پالیسی[8]

حصہ پنجم: غیر مناسب افعال

- جھوٹی، دھوکہ باز اور گمراہ کن نمائندگی
- جھوٹے اشتہارات پر ممانعت[9]

حصہ ششم: اتھارٹی کے اختیارات

- اتھارٹی کے اختیارات
- حکومت کے اختیارات[10]

3۔ تحفظ صارفین کا قانون مجریہ ۱۹۹۷ء خیبر پختونخواہ

قومی اسمبلی اور پنجاب اسمبلی کی طرح خیبر پختونخواہ اسمبلی نے بھی صارفین کے حقوق کے تحفظ کے لیے باقاعدہ قانون سازی کی ہے۔ ۱۹۹۷ء میں تحفظ صارفین کا قانون مجریہ ۱۹۹۷ء پاس کیا ہے جو صارفین کے حقوق کے تحفظ کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ایکٹ کا مختصر تعارف ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

مذکورہ ایکٹ کے بنیادی چار حصے ہیں۔[11]

حصہ اول: تعارف ایکٹ اور ضروری اصلاحات کی وضاحت

حصہ دوم: صارفین کونسل کے بارے میں بنیادی قانون سازی

حصہ سوم: استغاثوں کا فیصلہ

حصہ چہارم: متفرق

مذکورہ ایکٹ میں "ناواجب تجارتی عمل" کے عنوان سے ۱۴ صورتیں واضح کر دی گئی ہیں جن کا کرنا قانوناً درست نہ ہو گا اور اگر کوئی شخص اس طرح کرے گا وہ قانون کے مطابق مجرم تصور ہو گا اور اس ایکٹ کے مطابق اس کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے گی۔

4۔ دی سندھ کنزیومر پروٹیکشن ایکٹ ۲۰۱۴ء (ایکٹ نمبر XVII-2015)

دوسری قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی طرح سندھ حکومت نے بھی صارفین کے حقوق کی حفاظت کے لئے باقاعدہ قانون سازی کی ہے اور "دی سندھ کنزیومر پروٹیکشن ایکٹ ۲۰۱۴ء (ایکٹ نمبر XVII-2015)" کے نام سے سندھ اسمبلی نے ایکٹ منظور کیا ہے۔ جس کے ضروری تفاصیل مندرجہ ذیل ہیں:[12]

مذکورہ ایکٹ ایک تفصیلی ایکٹ ہے جو آٹھ بنیادی حصوں پر مشتمل ہے:

حصہ اول: "ابتدائیہ" جو ایکٹ کے تعارف اور بنیادی اصطلاحات پر مشتمل ہے۔

حصہ دوم: عیب دار مصنوعات سے پیدا ہونے والی ذمہ داری

حصہ سوم: عیب دار اور ناقص خدمات کی مصنوعات سے متعلق پیدا ہونے والی ذمہ داری

حصہ چہارم: مینوفیکچررز کی ذمہ داری

حصہ پنجم: غیر منصفانہ طریقے (ناواجب تجارتی عمل)

حصہ ششم: اتھارٹی کے اختیارات

حصہ ہفتم: کنزیومر پروٹیکشن کونسل کی تشکیل کے بارے میں قانون سازی

حصہ ہشتم: شکایات کی وصولی اور صارف عدالتوں کا قیام

حصہ نہم: متفرقات

5۔ دی بلوچستان کنزیومر پروٹیکشن ایکٹ ۲۰۰۳ء

صارفین کے حقوق کے لئے بلوچستان حکومت نے بھی قانون سازی کی ہے اور بلوچستان اسمبلی نے "دی بلوچستان کنزومر پروٹیکشن ایکٹ ۲۰۰۳ء" کے نام سے ایکٹ منظور کیا ہے جو مندرجہ ذیل بنیادی چار حصوں پر مشتمل ہے:[13]

حصہ اول: ابتدائیہ

حصہ دوم: کنزیومر پروٹیکشن کونسل کا قیام

حصہ سوم: شکایات کی وصولی

حصہ چہارم: متفرقات

سیرت طیبہ کی روشنی میں صارفین کے حقوق کا تعارفی جائزہ:

اسلام ایک جامع دین ہے۔ محمد مصطفی ﷺ کی سیرت طیبہ چشمہ ہدایت ہے۔ آپ ﷺ کی ہدایات پر عمل کرنے میں دنیا و آخرت میں کامیابی کا باعث ہے۔ دنیاوی معاملات کے لئے آپ ﷺ نے باقاعدہ احکامات صادر فرمائیں ہیں۔ انبیاء کرامؑ جو اصلی پیغام وحی سے جڑے رہے اس کے ساتھ ساتھ دنیاوی معاش کے لئے بھی کسی نہ کسی پیشہ سے وابستہ رہے۔ آپ ﷺ نے اپنے لئے پیشہ تجارت منتخب کیا تھا۔ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں "فضل اللہ" قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ[14] جو اس پیشہ کی افضلیت پر دال ہے۔ تجارت کا پیشہ مقدس اور اہمیت کا باعث ہے۔ تجارت میں دو افراد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ (الف) بائع (ب) مشتری (صارف)

بائع اور مشتری کے حقوق شریعت مطہرہ نے تفصیلا بیان کئے ہیں۔ ذیل میں ان حقوق کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

شریعت اسلامی میں تجارت کا مفہوم:

تجارت کا لفظ تاء، جیم اور راء سے بنا ہوا ہے۔ تجر یتجر تجارۃ بطور مصدر استعمال ہوتا ہے۔[15]فقہ اسلامی میں تجارت کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے: "التجارۃ فی اللغۃ والاصطلاح ھی تقلیب المال، ای بالبیع والشراء لغرض الربح وھی فی الاصل مصدر دال علی المھنۃ، وفعلہ تجر یتجر تجراً وتجارۃ"۔[16]

فقہ اسلامی میں بائع و مشتری کا تعارف:

فقہ اسلامی میں "بیع" کا مفہوم:

بیع عربی زبان کا لفظ ہے جو اضداد میں شمار ہوتا ہے جس کے لغوی معنی ہے خریدنا اور بیچنا۔[17]

بیع کا اصطلاحی مفہوم: فقہ اسلامی میں بیع کو کچھ یوں متعارف کرایا گیا ہے:

"واما مفھومہ لغۃ وشرعا فقال فخر الاسلام البیع لغۃ مبادلۃ المال بالمال وکذا فی الشرع لکن زید فیہ قید التراضی "[18]

بیع کے ارکان: بیع کے بنیادی دو ارکان ہیں: (۱)ایجاب و قبول (۲)تعاطی

بیع کے شرائط: بیع کے شرائط چار ہیں:

(۱)شرائط انعقاد (۲)شرائط نفاذ (۳)شرائط صحت (۴)شرائط لزوم

بیع کی قسمیں: فقہ اسلامی میں بیوع کی مختلف قسمیں مذکور ہیں ذیل میں چند مشہور کا تعارف پیش کیا جارہا ہے:[19]

(الف) احکام کے اعتبار سے بیع کی قسمیں:(بیع کی جائز شکلیں)

(۱) بیع نافذ سے مراد وہ بیع ہے جو اپنی اصل اور خارجی شرائط کے اعتبار سے صحیح ہو، نہ مبیع میں کسی کا حق متعلق ہو اور نہ اس میں بائع یا مشتری کے لیے کوئی خیار ثابت ہو۔

(۲) بیع غیر نافذ سے مراد وہ بیع ہے جس میں مذکورہ بالا باتیں پائی جاتی ہوں لیکن اس میں بائع یا مشتری کے لیے خیارات میں سے کوئی خیار بھی ثابت ہو، جس کی وجہ سے فی الحال یہ بیع لازم نہ ہو۔

(۳) بیع موقوف سے مراد وہ بیع ہے جو غیر کے حق کی وجہ سے نافذ نہ ہو سکے اس کو بیع موقوف کہتے ہیں، صاحب حق اگر اجازت دے دے تو جائز ہو جائے گی ورنہ ناجائز ہے جب تک کہ اس کا حق جدا کر کے اس کو نہ دیا جائے اور از سر نو ایجاب و قبول نہ کیا جائے۔

(ب) مبیع کے اعتبار سے بیع کی قسمیں

(۱) بیع مرابحہ: یہ وہ بیع ہے جس میں بائع اپنی قیمت خرید پر اضافی رقم لے کر کسی مبیع کو فروخت کریں مثلاً ایک کتاب ۴۵ روپے میں خرید کر ۵۰ روپے میں بیچ دے۔ ربحہ کے معنی ہیں نفع اور چونکہ اس معاملہ میں بائع کو نفع ملتا ہے اس لیے اس بیع کو مرابحہ کہتے ہیں۔اس کے ضمن میں بیع تعاطی بھی ہے۔ بیوعات میں عام طور پر ایجاب و قبول زبان سے کی جاتی ہے لیکن بیع تعاطی میں صورت خاموشی کی ہے یعنی جب کسی چیز کی قیمت پہلے سے معین ہو تو بائع اور مشتری بیع کا معاملہ اس طرح کرتے ہیں کہ مشتری مبیع کی قیمت کو بائع کے ہاتھ میں دے کر یا اس کے سامنے رکھ کر خاموشی کے ساتھ مبیع کو اٹھا لیتے ہیں زبان سے کچھ بھی نہیں کہتا اور بائع قیمت کو خاموشی کے ساتھ قبضہ کر لیتا ہے اور زبان سے کچھ بھی نہیں کہتا۔ اس کو بیع تعاطی کہتے ہیں۔ فقہاء کے صحیح قول کے مطابق عمدہ اور حسیس دونوں قسم کے چیزوں میں یہ بیع جائز ہے۔ یہ اگرچہ اس تقسیم میں شامل نہیں ہے لیکن بائع کی خاموشی دلالت کرتی ہے کہ اس میں کوئی منافع ضرور ہے، اس لیے میں نے اس کا تذکرہ بیع مرابحہ کے ضمن میں کر دیا۔

(۲) بیع تولیہ: مبیع کے مالک یعنی بائع نے اگر اسی قیمت پر اپنا سامان بیچ دیا جس پر خریدا تھا تو اس بیع کو بیع تولیہ کہتے ہیں۔

(۳) بیع وضیعہ: جب مالک اپنی چیز (مبیع) کو تاوان کے ساتھ بیچ دے تو اس بیع کو بیع وضیعہ کہتے ہیں۔

(۴) بیع مساومہ: بیع مساومہ اس بیع کو کہتے ہیں جس میں قیمت کا بالکل ذکر نہ ہو، مبیع کی قیمت خرید، قیمت فروخت سے کم ہو یا زیادہ یا مساوی ہو، بائع اس کا کوئی تذکرہ نہ کریں جبکہ گزشتہ تینوں بیوع میں قیمت کا ذکر ضرور ہو گا۔ان میں قیمتوں کے ذکر سے نام کا پتہ چلے گا کہ کون سا بیع مساومہ ہے، کونسا مرابحہ ہے، کونسا وضیعہ ہے اور کونسا تولیہ ہے۔

(د) مبیع کے اعتبار سے بیع کی قسمیں

(۱) بیع صرف: ثمن جس کو عام عرف میں قیمت سے موسوم کیا جاتا ہے، اس کے بدلے ثمن یعنی قیمت ہی دینے کو بیع صرف کہا جائے، مثلاً روپے کا نوٹ، نوٹ ہی سے بدلنا یا سکہ کو سکہ سے بدلنا، اسی

طرح سونا سونے سے اور چاندی چاندی سے بدلنا۔ بیع صرف میں مساوات اور برابری کے علاوہ مجلس بیع میں ثمن اور مبیع پر قبضہ بھی ضروری ہے ورنہ یہ معاملہ سود ہو جائے گا کما فی الحدیث: قال رسول اللہ صلیّ اللہ علیہ وسلّم: الذھب بالذھب رباً الا ھاء وھاء والبرّ بالبرّ رباً الاّ ھاء وھاء۔[20]

یہ حدیث نص ہے کہ مجلس عقد میں ثمن اور مبیع پر قبضہ ضروری ہے ورنہ معاملہ سود ہو جائے گا اور مساوات کے بارے میں ارشاد نبوی ہے۔ قال ابوسعید فی الصرف سمعت رسول اللہ صلیّ اللہ علیہ وسلمّ یقول الذھب بالذھب مثل بمثل والورق بالورق مثل بمثل۔[21]

(۲) بیع مقائضہ: یہ وہ بیع ہے جس میں رقم اور سونا چاندی نہیں ہوتی بلکہ سامان کو سامان کے بدلے فروخت کی جاتی ہے مثلاً کتاب کو کپڑے کے عوض یا کپڑے کو لکڑی کے عوض بیچنا۔

(۳) بیع مطلق: بیع مطلق وہ بیع ہے جس میں سامان کو روپوں کے عوض بیچا جاتا ہے جیسے قلم کو روپے اور سکے کے عوض بیچنا۔ اس میں روپے ثمن اور قلم مثمن یعنی مبیع ہے۔ جو لوگ عام بیوعات کرتے ہیں یہ سب بیع مطلق کے ضمن میں آتے ہیں۔

(ج) مدت کے لحاظ سے بیع کی قسمیں

(۱) بیع سلم: بیع سلم اس بیع کو کہتے ہیں جس میں قیمت ایڈوانس میں فی الحال ادا کی جائے اور مبیع بعد میں دینے کا وعدہ ہو مثلاً ایک مشتری ایک گاڑی خریدتا ہے تو آج ایجاب و قبول مکمل ہو جانے کے بعد مشتری گاڑی کی قیمت دے دے اور بائع وعدہ کرے کہ کل میں گاڑی آپ کو حوالہ کروں گا۔

(۲) بیع مؤجل: اگر معاملہ اوپر مذکورہ صورت کے برعکس ہو یعنی بائع مبیع مشتری کو فی الحال حوالہ کرے اور مشتری قیمت کسی معین تاریخ پر دینے کا وعدہ کرے تو اس کو بیع مؤجل کہتے ہیں۔ شریعت میں یہ دونوں بیوع جائز ہیں۔

مذکورہ بالا اقسام کے علاوہ فقہاء کرام نے دوسرے اقسام کا ذکر بھی کیا ہے جن میں اکثر بیوع شرعاً ناجائز ہیں تاکہ مسلمان ان ناجائز بیوع سے آگاہ ہو کر اجتناب اور پرہیز کرے اور گناہ، دھوکہ کھانے اور دھوکہ دینے سے محفوظ ہو جائے، البتہ بعض بیوع جمہور علماء کے نزدیک جائز ہیں۔ ذیل میں ایسے بیوع کا اختصاراً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(د) بیع کی ممنوع شکلیں

(۱) بیع مکروہ: یہ وہ بیع ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے صحیح ہو لیکن کسی امر خارج کی وجہ سے اس میں کراہت آئی ہو جیسے جمعہ کے اذان کے وقت بیع کرنا۔

(۲) بیع باطل: یہ وہ بیع ہے ذات کے اعتبار سے بالکل درست نہ ہو مثلاً مسلمان شراب یا خنزیر کو بیچے، چونکہ یہ چیزیں اس کے حق میں مال نہیں ہے اس لیے یہ بیع صحیح نہیں۔

(۳) بیع فاسد: یہ وہ بیع ہے جو ذات اور اصل کے اعتبار سے تو درست ہو لیکن شرط فاسد کی وجہ سے اس میں فساد و نقصان آیا ہو اور ہر وہ شرط جو عقد کے تقاضا کے خلاف ہو شرط فاسد کہلاتا ہے۔

(۴) بیع غرر: بیع غرر کا دائرہ بہت وسیع ہے، اگر ثمن میں جہالت ہو یا مبیع کی سلامتی مشکوک ہو تو یہ بیع غرر کے ضمن میں آتے ہیں۔

(۵) بیع حبل الحبلہ: حبل حمل کو کہتے ہیں اور حبل الحبل کا مطلب ہے حمل کا حمل، پس اس بیع کا مطلب یہ ہوا کہ حمل کے حمل کو فروخت کرنا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔[22]

(۶) بیع ملامسہ: اس بیع کی صورت یہ ہے کہ مشتری مبیع کو ہاتھ لگائے اور صرف ہاتھ لگانے سے مشتری کے لیے بیع رد کرنے کا اختیار ختم ہو جائے۔ یہ بیع بھی شرعاً ممنوع ہے۔

(۷) بیع منابذہ: جب بائع مشتری کو مبیع پھینک دے اور مشتری کے لیے بیع فسخ کرنے کا اختیار ختم ہو جائے تو اس کو بیع منابذہ کہتے ہیں۔

(۸) بیع حصاۃ: حصاۃ کنکری کو کہتے ہیں، اس بیع کی صورت یہ ہے کہ خرید و فروخت کے وقت بائع مشتری سے کہے کہ بات چیت کے درمیان میں تجھ پر کنکری پھینک دوں تو بیع لازم ہو جائے گی۔ یہ بھی ممنوع بیوعات میں سے ہے۔

(۹) بیع مزابنہ و محاقلہ: بیع مزابنہ وہ بیع ہے جس میں درخت پر لگے ہوئے پھل کے عوض اسی پھل کے ٹوٹے ہوئے دانے بیچے جاتے ہیں اور بیع محاقلہ میں کھیت میں کھڑی فصل کے دانوں کے عوض اسی جنس کے ٹوٹے ہوئے دانے دیے جاتے ہیں۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے بیع سے منع فرمایا ہے۔[23]

(۱۰) بیع المضامین والملاقیح: جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہو اور اس کا سودا کیا جائے تو اس کو بیع ملقوح کہتے ہیں اور جب بچہ ماں کے پیٹ میں بھی نہ ہو بلکہ نر کے مادہ منویہ کی صورت میں ہو تو اس کی بیع کو بیع مضمون کہتے ہیں، یہ جاہلیت کے بیوع ہیں اور شرعاً ممنوع اور حرام ہیں۔

(۱۱) بیع الحاضر للبادی: حاضر شہری کو اور بادی دیہاتی کو کہتے ہیں، سنن ترمذی میں ہے:

لا یبیع حاضر للبادی ودعوا الناس یرزق اللہ بعضھم من بعض۔[24]

ترجمہ: شہری دیہاتی کے لیے فروخت نہ کریں بلکہ لوگوں کو چھوڑدو کہ اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے کے ذریعے رزق عطا فرماتا ہے۔

(۱۲) بیع تلقی الجلب: تلقی الجلب کی صورت یہ ہے کہ کسی شہر کے تاجر شہر سے باہر جا کر آنے والے تاجروں سے راستے میں سامان تجارت شہر کے بازار سے کم قیمت پر خرید لیتے ہیں، چونکہ باہر کے تاجروں کو ریٹ کا مکمل اندازہ نہیں ہوتا اس لئے شہر کے تاجر انہیں دھوکہ دے کر ان سے کم قیمت پر مال خرید لیتے ہیں اسی وجہ سے شریعت نے بائع کو اختیار دے دیا کہ اگر وہ چاہے تو بیع فسخ کر سکتا ہے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ تلقی الجلب کے ساتھ مال بیچنے والے بائع کو بیع رد کرنے کا اختیار ہے۔[25]

(۱۳) بیع نجش: غرر کی طرح نجش کی بھی مختلف صورتیں ہیں۔ بیع نجش کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مبیع خریدنے کا ارادہ نہیں رکھتا، صرف دوسرے خریداروں کو ابھارنے کے لیے قیمت کو بڑھا چڑھا کر کہتا ہے کہ میں اتنے پر خریدتا ہوں، گویا اس کا مقصد لوگوں کو دھوکہ دینا ہوتا ہے۔ شریعت میں ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال نھی النبی صلیؐ اللہ علیہ وسلمؐ عن النجش۔[26]

(۱۴) بیع مزائدہ: بیع مزائدہ کو نیلام اور بیع من یزید بھی کہتے ہیں۔ اس بیع میں بائع یا دلال بولی کرتا ہے اور بہت سارے گاہک قیمت لگا کر خریدنے کا اظہار کرتے ہیں، آخر میں جس گاہک نے سب سے زیادہ قیمت پر خریدنے کا اظہار کیا ہو، مبیع اس کے نام لکھ لیا جاتا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ بیع جائز ہے۔

(۱۵) بیع عربان: بیع عربان کی صورت یہ ہے کہ گاہک بائع کو مبیع کی قیمت کا کچھ حصہ دے کر وعدہ کرے کہ اگر میں نے قیمت ادا نہ کی اور بیع فسخ کیا تو یہ رقم آپ کی ہو جائے گی۔ چونکہ اس میں جوئے کی

شکل آجاتی ہے اس لیے رسول اللہ صلیؐ اللہ علیہ وسلمؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ائمہ اربعہ میں صرف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

(۱۶) بیع عریہؔ: بیع عریہ کی صورت یہ ہے کہ پھلوں کے باغ میں باغ کا مالک ایک درخت کسی محتاج کو دے دے، پھر اس فقیر کے پھل توڑنے کے لیے باغ میں بار بار آنے سے مالک تنگ ہو جائے اور وہ فقیر کو اتنے ہی پھل ٹوٹے ہوئے دے دے جتنے پھل اس کے درخت پر اندازۃ ہوتے ہیں، لیکن فی الحال فقیر وہ درخت چھوڑے اور باغ کے کاٹنے کے وقت اپنے پھل وصول کریں، بظاہر یہ معاملہ درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے بدلے میں ٹوٹے ہوئے پھل دینا ہے لیکن حقیقت میں یہ باغ کے مالک کی طرف سے عطیہ اور احسان ہے۔ جمہور علماء اس کو جائز کہتے ہیں، البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف پانچ وسق میں جائز ہے۔

(۱۷) بیع سنین و معاومہ: سنۃ اور عام دونوں سال کو کہتے ہیں، اس بیع کی تصویر یہ ہے کہ بائع کہے کہ اس سال میرے باغ میں جتنے پھل یا کھیت میں جتنا فصل پیدا ہو جائے اس کو اتنے قیمت پر فروخت کرتا ہوں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ عدم جواز اس وجہ سے ہے کہ یہ معدوم کی بیع ہے اور آنے والے پھل اور فصل کا پیدا ہونا یقینی بھی نہیں اور اگر پیدا بھی ہو جائے تو اس کی مقدار مجہول ہے۔

(۱۸) بیع عینہ: بیع عینہ کی صورت یہ ہے کہ ایک حاجتمند اور مجبور شخص کسی صاحب استطاعت شخص سے قرض مانگے ،وہ قرض تو نہ دے البتہ یہ کہے کہ ۱۰۰ روپے کی یہ چیز ۱۲۰ روپے میں مجھ سے خرید لو اور نقد ۱۰۰ روپے پر بیچو کر اپنی ضرورت پوری کرو بعد میں مجھے ۱۲۰ روپے دے دیں۔ بیع کی یہ صورت بھی ناجائز ہے کیونکہ یہ قرض سے ناجائز طریقہ پر نفع حاصل کرنے کا ایک بہانہ ہے۔

بیع مصرّاۃ: مصرّاۃ تصریہ سے ماخوذ ہے، تصریہ کے معنی ہیں دودھ کو جانوروں کے تھنوں میں روکے رکھنا۔ اگر مادہ جانور مثلاً گائے، بھینس، بکری اور اونٹنی کے تھنوں میں دودھ کوئی روز تک چھوڑا جائے تاکہ بیچتے وقت گاہک کو یہ مادہ جانور زیادہ دودھ دینے والا نظر آجائے اور زیادہ قیمت میں اس کو خرید لے تو اس کو بیع مصرّاۃ کہتے ہیں۔ یہ دھوکہ ہے۔ احناف میں سے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مشتری کو اختیار ہے، چاہے جانور کو واپس کریں اور جو دودھ اس سے لیا ہے اس کے عوض ایک صاع (ساڑے تین سیر) کھجور بھی بائع کو دے دے اور چاہے تو مبیع کو قبول کرکے اپنے پاس رکھ لے۔

تجارت میں خیارات((Options سے متعلق صارف کے حقوق کا شرعی جائزہ:

خرید وفروخت اور لین دین میں شفافیت لانے کے لیے اور فریقین (بائع اور مشتری) کے درمیان باہمی نزاع کے خاتمے کے لیے اسلام نے معاملات میں خیارات کا ایک اہم باب کھولا ہے، تاکہ بوقت ندامت فسخ معاملہ ممکن ہو سکے۔ اور فریقین میں جس کو نقصان کا اندیشہ ہو، بچ سکے۔ خیارات کا باب اگر چہ بائع اور مشتری دونوں سے متعلق ہے لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو اس کی ضرورت زیادہ تر صارف اور مشتری کو پڑتی ہے کیونکہ، مبیع بائع کے پاس کافی وقت سے موجود ہوتی ہے اور مشتری کے ہاتھ میں ابھی ابھی آنے والی ہے، لہٰذا مشتری کو اس کے عمدہ اور ردی ہونے کا مکمل علم نہیں ہے۔

خیار کا لغوی واصطلاحی مفہوم:

خیار کے لغوی معنی کے بارے میں صاحب بحر الرائق رقم طراز ہے:

وفی المصباح الخیار و الاختیار، وفسرہ فی فتح الباری بالتخییر بین الامضاء والفسخ۔[27]

مصباح میں ہے کہ خیار اور اختیار دونوں کے ایک معنی ہیں، اور فتح الباری میں خیار کی تفسیر (بیع کے) نفاذ اور فسخ کے درمیان اختیار دینے سے کی ہے۔

اصطلاح میں خیار سے مراد ھو حق العاقد فی فسخ العقد او امضائہ لظھور مسوغ شرعی اوبمقتضی اتفاق عقدی:[28]

خیار عاقد (بائع یا مشتری) کا بیع کے نافذ یا فسخ کرنے کا حق ہے شرعی گنجائش کی وجہ سے یا عقدی اتفاق کے تقاضے کی وجہ سے۔

خیار کی قسمیں:

خیارات کی بنیادی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:

(۱)خیار رویت (۲)خیار شرط (۳)خیار عیب (۴)خیار تعین

(۱) فقہ اسلامی میں خیارِ شرط کا مفہوم:

خیار کے معنی کے بارے میں صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں :" وفی المصباح :الخیار و الاختیار"[29] مصباح اللغات میں ہے کہ خیار کے معنی اختیار اور منتخب کرنے کے ہیں اور جب شرط

کی طرف اس کی اضافت کی جائے تو اس کے بارے میں آگے لکھتے ہیں "من اضافة الشيء الى سببه لانّ الشرط سبب للخيار" [30]خیار الشرط میں جو خیار کی اضافت شرط کی طرف ہوئی ہے یہ شئ کا اپنے سبب کی طرف اضافت ہے، مطلب یہ ہے کہ یہاں مشتری کا اپنے لیے خیار کی شرط لگانے کی وجہ سے اس کے لیے خیار ثابت ہو رہا ہے۔ مزید لکھتے ہیں "وفسره فی فتح الباری بالتخيير بين الامضاء والفسخ۔"[31]فتح الباری میں وضاحت کی گئی ہے کہ بیع کے نافذ کرنے اور فسخ کرنے کے اختیار کو خیار شرط کہتے ہیں۔

خیار شرط کے جواز کے دلائل اور اس کی مدّت کے بارے میں اقوالِ فقہاء

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

خیار الشرط جائزفی البیع للبائع والمشتريولهما الخيار ثلاثة ايّام فما دونها۔[32]

مطلب یہ ہے کہ خیار شرط بائع اور مشتری کے لیے جائز ہے اور ان کے لیے تین دن یا اس سے کم اختیار حاصل ہے۔

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

يصح البيع بشرط الخيار لاحد العاقدين او لهما جميعاً عندنا وكذا خيار الشرط لاجنبي جائز عندنا كذا في فتاوٰی قاضی خان وهو موضوع للفسخ لا للاجازة عندنا۔[33]

اور مزید لکھتے ہیں:

وجائز بالاتفاق وهو ان يقول على انّ بالخيار ثلاثة ايام فما دونها ومختلف فيه وهو ان يقول على انّ بالخيار شهراً او شهرين۔[34]

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مالک اور گاہک میں سے کسی ایک کے لیے یا دونوں کے لیے ہمارے ہاں خیار شرط کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے اور اسی طرح ہمارے نزدیک ایک اجنبی شخص کے لیے خیار شرط لگانا بھی جائز ہے اسی طرح فتاوٰی قاضی خان میں ہے اور ہمارے مذہب کے مطابق یہ خیار یعنی خیارِ شرط (معاملہ) کے توڑنے کے لیے وضع کیا گیا ہے نفاذ کے لیے نہیں، اور یہ بالاتفاق جائز ہے اور وہ یہ کہ مشتری (گاہک) کہے کہ اس شرط کے ساتھ کہ مجھے تین دن یا اس سے کم اختیار حاصل ہو گا، اور مختلف فیہ ہے اور وہ یہ کہ مشتری (گاہک) کہے کہ مجھے ایک ماہ یا دو ماہ کے لیے اختیار ہو گا۔ اس عبارت

سے واضح ہوتا ہے کہ صارف کے لیے خیار شرط لگانا بالاتفاق جائز ہے لیکن اس کے مدت میں اختلاف ہے، تین دن تک تو کوئی اختلاف نہیں البتہ تین دن سے زیادہ میں اختلاف ہے۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں:

(ومنها): شرطُ خیار غیر موقّت اصلاً والاصل فیه انّ شرط الخیار یمنع انعقاد العقدِ فی حق الحکم للحال فکان شرطاً مغیّراً مقتضی العقدِ وانّه مفسد فی الاصل وهو القیاس الّا انّا عرفنا جوازہ استحساناً بخلاف القیاس بالنّص وهو ما رُوِیَ انّ حبّان بن منقذ کان یغبن فی التجاراتِ فشکا اهله الی رسول الله صلّی الله علیه وسلم فقال له "اذا بائعت فقل: لا خلابةَ ولیَ الخیار ثلاثة ایّام" فبقی ما وراء المنصوص علیه علی اصل القیاس۔[35]

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ (بیوعات اور معاملات کے جو فاسد شروط ہیں) ان میں سے یہ بھی ہے کہ (معاملہ میں) ایسا شرطِ خیار لگایا جائے (جس کا کوئی وقت معلوم نہ ہو یا) جس میں وقت کی کوئی قید نہ ہو، اس میں قاعدہ اور قانون یہ ہے کہ خیار شرط بیع کو حکم کے اعتبار سے فی الحال منعقد ہونے سے روکتا ہے، تو یہ ایسا شرط ہے جو مقتضی عقد کے مغایر یعنی خلاف ہے اور اصل میں یہ (معاملہ کو) فاسد کرنے والا ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے لیکن ہم نے استحساناً (اور) خلاف قیاس اس کے جواز کو نص کے ذریعے معلوم کیا ہے اور وہ نص یہ ہے کہ حضرت حبان ابن منقذ تجارات (بیوعات) میں خسارہ اٹھاتے تھے تو اس کے گھر والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ جب تم بیع کرتے ہو تو کہا کرو کہ کوئی دھوکہ نہ ہوگا اور میرے لیے تین دن تک خیار ہوگا۔ تو جو منصوص علیہ کے علاوہ ہے وہ قیاس کے قانون کے مطابق رہ گیا یعنی جائز نہیں، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تحقیق سے نہ صرف خیار شرط کا جواز معلوم ہوتا ہے بلکہ جواز کے ساتھ علت جواز اور مدت جواز بھی ظاہر ہوتا ہے، علت جواز تو یہی حدیث ہے جس کو نص کا درجہ حاصل ہے اور مدتِ جواز حدیث میں مذکورہ وقت یعنی تین دن ہیں۔ در اصل بات یہ ہے کہ فقہاء کرام نے خیار شرط کے جواز اور عدم جواز کے بارے مین تین صورتیں ذکر کی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ گاہک خرید کرتے وقت سامان کے مالک سے کہے کہ میں نے یہ سودا آپ سے خرید لیا اس شرط کے ساتھ کہ میرے لیے خیار ہے یا یہ کہے کہ میرے لیے کئی دن خیار ہے یا اس طرح کہے کہ مجھے ہمیشہ کے لیے اختیار ہو گا۔ اس صورت کے عدم

جواز پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ گاہک مالک سے کہے کہ میں نے مبیع خرید لیا اس شرط کے ساتھ کہ میرے لیے تین دن تک خیار رہے گا یا تین دن سے کم وقت بتائے مثلاً ایک یا دو دن بتائے تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ گاہک تین دن سے زیادہ وقت بتائے مثلاً کہے کہ میرے لیے چار دن یا ایک ماہ یا دو ماہ تک خیار ہو گا۔ اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے اور اوپر جو علامہ کاسانی کے بدائع الصنائع سے عبارت پیش کی گئی ہے اس میں بھی تصریح ہے کہ اگر قیاس کے تقاضے کو ملحوظ رکھا جائے تو تین دن میں بھی جائز نہیں ہے لیکن استحساناً اور خلاف القیاس نص کا لحاظ رکھتے ہوئے تین دن میں جائز رکھا گیا اور تین دن سے زائد میں قیاس کے مطابق ناجائز رہا۔ امام ابو حنیفہ، امام زفر اور امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس معاملہ اور بیع میں ایک یا دو ماہ کا خیار رکھا جائے، خیار بائع کے لیے ہو یا گاہک کے لیے تو وہ بیع فاسد ہے اور صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بیع جائز ہے۔

صاحب بحر الرائق نے خیار شرط کے جواز کے بارے میں یہی روایت زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

والاصل فی ثبوته ما رواه ابن ماجه فی سننه انّ حبان بن منقذ بن عمر كان رجلاً قد اصابه امة فی راسه فكسرت اسنانه وكان لايدع علی ذالك التجارة فكان لايزال يغبن فاتی النبی صلی الله عليه وسلم فذكر له ذالك فقال له : اذا انت بايعت فقل لا خلابة ، ثمّ انت فی كلّ سلعة ابتعتها بالخيار ثلاثة ليال فاذا رضيت فامسك ، وان سخطت فارددها علی صاحبها[36]

مطلب یہ ہے کہ خیار شرط کے ثبوت میں دلیل وہ روایت ہے جس کو ابن ماجہ نے اپنے سنن میں ذکر کی ہے کہ حبان بن منقذ بن عمر ایک ایسا آدمی تھا جس کے سر میں کچھ چوٹ لگی تھی پس اس کے دانت ٹوٹ گئے تھے اور وہ اس کے باوجود بھی تجارۃ (جیسے بابرکت پیشے) کو نہ چھوڑتے تھے، وہ ہمیشہ دھوکہ کھا جاتے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس سے اس (بات) کا تذکرہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ جب تم بیع کرتے ہو کہا کرو کہ کوئی دھوکہ نہ ہو گا، پھر تم جس سامان کو بھی خریدو گے اس میں تم کو تین راتیں خیار ہو گا، پس جب تم راضی ہو جاو تو (اس مبیع) کو رکھ لو اور اگر راضی نہ ہو تو اس کو واپس کرو۔

بحر الرائق کے اس عبارت سے اندزہ ہوتا ہے کہ یہ روایت بدائع الصنائع کے عبارت میں ذکر شدہ روایت سے تفصیلی ہے۔ لیکن جو بات مقصود تھی یعنی خیار شرط کا جائز ہونا اور اس کے مدت کا تین دن ہونا، وہ دونوں میں یکساں ہے۔ البتہ اس روایت میں صارف کے رضا اور عدم رضا اور نفاذ بیع و فسخ بیع کے اختیار کا بھی ذکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام صارف کے لیے تین دن کے خیار شرط کے جواز پر متفق ہیں اور اس سے زیادہ میں اختلاف کیا ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

خیار الشرط جائزفی البیع للبائع والمشتری ولهما الخیار ثلاثة ایام فما دونها والاصل فیه ما روی ان حبان ابن منقذ بن عمرو الانصاری کان یغبن فی البیاعات فقال له النبی علیه السلام اذا بایعت فقل لا خلابة ولی الخیار ثلاثة ایّام ولایجوز اکثر منها عند ابی حنیفة رحمة الله علیه وهو قول زفر والشافعی رحمهما الله وقالا یجوز اذا سمّیٰ مدة معلومة لحدیث ابن عمر رضی الله عنه انه اجاز الخیار الی شهرین۔[37]

اس عبارت میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بیع میں خیار شرط بائع اور مشتری کے لیے جائز ہے اور ان دونوں کے لیے تین دن یا اس سے کم خیار ہوگا اور دلیل اس میں وہ حدیث ہے جس میں روایت کیا گیا ہے کہ حبان ابن منقذ بن عمرو الانصاری خرید و فروخت میں نقصان اٹھاتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس سے) فرمایا کہ جب تم بیع کرتے ہو تو کہا کرو کہ کوئی دھوکہ نہیں ہے اور میرے لیے تین دن کا اختیار ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ یہی قول امام زفر اور امام شافعی کا ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جب مدت معلوم ہو تو (زیادہ) بھی جائز ہے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ماہ تک خیار جائز رکھا۔

صاحب ھدایہ نے واضح کر دیا کہ فریقین (مالک اور گاہک) دونوں اس حق (خیار شرط) کے مستحق ہیں، لیکن جو دو روایتوں کو ذکر کر دیا ان میں صرف صارف (گاہک) کے لیے خیار لینے کا تذکرہ ملتا ہے جو ہمارے کلام کا موضوع ہے لیکن بائع (مالک) کے لیے خیار لینے کا تذکرہ نہیں ملتا اور اس کی دلیل اوپر بحر الرائق کی عبارت میں ذکر کیے گیے روایت کے الفاظ ہیں:

ثمّ انت فی کلّ سلعة ابتعتها بالخیار ثلاثة لیال فاذا رضیت فامسك، وان سخطت فارددها علی صاحبها۔[38]

اس عبارت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم جو بھی سامان تین دن خیار کے ساتھ خرید لو تو اگر پسند ہو تو بیع نافذ کرو اور اگر پسند نہ ہو تو واپس کرو۔ معلوم ہو گیا کہ یہ صحابی مشتری ہونے کی حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جواب میں خریدنے کی صورت میں خیار لینے کا حکم دے دیا۔ البتہ یہ کہنا قرین از قیاس ہے کہ صاحب ہدایہ نے اس روایت کو ان الفاظ کے بغیر ذکر کر کے گویا اطلاق کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی چونکہ حدیث کے الفاظ مطلق ہیں۔ خریدنے اور بیچنے دونوں صورتوں کو شامل ہیں اس لیے اس نے مشتری کے ساتھ بائع کے لیے بھی خیار کے جواز پر اس سے استدلال کیا۔ ویسے بھی خیارات کا تعلق زیادہ تر مشتری کے ساتھ ہے جیسا کہ خیار رویت میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت طلحہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے نزاع کے فیصلے میں حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ نے مشتری کو خیار دے دیا۔

رؤیت دیکھنے کو کہتے ہیں اور خیار رؤیت کا مطلب ہے کہ مشتری مبیع کو دیکھے بغیر خرید لے۔ خیار رؤیت کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر ایسا معاملہ کیا گیا تو مبیع کے دیکھنے کے بعد مشتری کو اختیار ہو گا، چاہے تو بیع نافذ کریں اور چاہے تو فسخ کریں۔ شریعت نے یہ سہولت تو دی ہے کہ بوقت ضرورت بن دیکھے خرید و فروخت کا معاملہ کر سکیں، لیکن اس سہولت کے ساتھ نقصان سے بچنے کا راستہ بھی بتایا ہے کہ مشتری کے لیے دیکھنے کے بعد معاملہ باقی رکھنے اور ختم کرنے کا اختیار بھی ہو گا۔ مبیع اکثر تو بیع کے وقت موجود ہوتا ہے اور مشتری اس کو دیکھنے کے بعد خریدتا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مبیع موجود نہیں ہوتا اور بائع مشتری کے سامنے اس کے اوصاف بیان کرتا ہے اور مشتری اس کو خرید لیتا ہے، ایسا کرنا شرعاً جائز ہے اور مشتری کے لیے خیار رؤیت ثابت ہو گا، دیکھنے کے بعد اگر پسند آ گیا تو طے شدہ قیمت مکمل ادا کر کے بیع نافذ کرے گا، اگر پسند نہ آئے تو بیع فسخ کرے گا، علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

ومن اشتریٰ شیئا لم یرہ فالبیع جائز ولہ الخیار اذا رآہ ان شاء اخذہ بجمیع الثمن وان شاء ردہ سواء رآہ علی الصفۃ التی وصفت لہ او علی خلافھا۔[39]

اور یہی عبارت فتاویٰ عالمگیری میں بھی ہے اور اس عبارت کے بعد اس فتاویٰ میں یہ عبارت ہے:

ھو الخیار یثبت حکماً لا شرطاً۔[40]

مشتری کا اپنے لیے خیار رویت لگانا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے بغیر بھی یہ خیار مشتری کے لیے ثابت ہے۔

خیار روئیت کے جواز پر امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ متفق ہیں لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ خیار ناجائز ہے کیونکہ مبیع مجہول ہے۔ لیکن احناف دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور صلیؐ اللہ علیہ وسلمؐ کا ارشاد ہے کہ جس نے کوئی چیز بن دیکھے خرید لی تو جب وہ دیکھ لے اسے اختیار ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جہالت مضر بھی نہیں کیونکہ جب وہ دیکھ لے اور پسند نہ ہو تو بیع فسخ کرے گا۔ علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں صاحب ہدایہ کے عبارت کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال الشافعی لا یجوز العقد لان المبیع مجهول ولنا قوله علیه السلام من اشتریٰ شیئاً لم یره فله الخیار اذ رآه ، ولانّ الجهالة بعدم الرؤیة لا تفضی الی المنازعة لانه لو لم یوافقه یردّه۔[41]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیع جائز نہیں کیونکہ مبیع مجہول ہے اور ہمارے لئے دلیل آپ ﷺ کا یہ قول ہے کہ جس نے بن دیکھے کوئی چیز خرید لی تو جب دیکھے تو اس کے لئے خیار ہے، اور نہ دیکھنے کی وجہ جو جہالت ہے وہ جھگڑے پیدا نہیں کرتا کیونکہ اگر مرضی کے موافق نہ ہو تو واپس کرے گا۔

خیار روئیت صرف صارف کے لیے ثابت ہے، صارف خواہ مشتری ہو، خواہ کرایہ دار ہو اور جو اصل مالک ہو یعنی بائع یا مالک مکان اس کے لیے ثابت نہیں ہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بصرہ کی ایک زمین بن دیکھے فروخت کر دی تھی، دونوں حضرات نے زمین کو نہ دیکھا تھا۔ حضرت طلحہ سے کسی نے کہا کہ آپ گھاٹے میں رہے تو اس نے کہا کہ میرے لیے خیار ہے کیونکہ میں نے ایسی زمین خریدی ہے جسے دیکھا نہیں ہے، اور حضرت عثمان سے کہا گیا کہ آپ کو نقصان میں ہوا تو فرمایا کہ میرے لیے خیار ہے کیونکہ میں نے ایسی چیز فروخت کی جس کو میں نے نہیں دیکھا ہے۔ پس دونوں نے ایک اور صحابی حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ کو ثالث مقرر کیا (تاکہ وہ فیصلہ کرے کہ خیار کس کے لیے ثابت ہے ؟) تو حضرت جبیر ابن مطعم نے حضرت طلحہ کے حق میں خیار روئیت کا فیصلہ کیا اور یہ فیصلہ صحابہ کی موجودگی میں تھا۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

و روی ان عثمان ابن عفان باع ارضاً بالبصرة من طلحة بن عبيد الله فقيل لطلحة انك قد غبنت فقال لی الخيار لانی اشتريت مالم اره وقيل لعثمان انك قد غبنت فقال لی الخيار لانی بعت ما لم اره فحكما بينهما جبير ابن مطعم فقضیٰ بالخيار لطلحة وكان ذالك بمحضر من الصحابة۔ [42] اس روایت کو صاحب بحر الرائق نے بھی انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔[43]

فقہ اسلامی میں "خیار عیب" کا مفہوم

عیب کے معنی نقصان کی ہیں۔علامہ ابن ہمام عیب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "والعيب ماتخلوعنه الفطرة السليمة مما يعد به ناقصا[44]"عیب وہ ہے جب کوئی چیز اپنی اصل فطرت سے خالی ہو اور جس کی وجہ سے وہ چیز ادھوری اور نقصان والی شمار کی جاتی ہو۔

فقہ اسلامی میں "خیار عیب" کا ثبوت

اگر ایک صارف کوئی مطلوبہ مبیع (خواہ سامان ہو یا جانور، جو بھی جنس ہو) بوقت خرید دیکھ کر لے جائے، پھر جب اس مبیع کو اپنے پاس دوبارہ دیکھے تو اس میں کوئی عیب نظر آجائے تو صارف کو شرعاً یہ اجازت اور اختیار ہے کہ وہ اس مبیع کو لوٹائے اور بائع سے قیمت کی واپسی کا مطالبہ کریں۔ خیار عیب کے ثبوت کے متعلق علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں:

واما خيار الشرط والعيب فثبت باشتراط العاقدين اما خيار الشرط فظاهر،لانه منصوص عليه فی العقد واما خيار العيب فلان السلامة مشروطة فی العقد دلالة ،والثابت بدلالة النص كالثابت بصريح النص فكان ثابت حقا للعبد۔[45]

عاقدین (سامان کا مالک اور گاہک) کے درمیان معاملہ میں اگر خیار شرط لگایا جائے تو ظاہر ہے (کہ معاملہ شرط کے اختتام تک موقوف رہے گا) کیونکہ خیار شرط بیع میں منصوص علیہ ہے اور خیار عیب کے بارے میں قانون یہ ہے کہ ہر معاملہ میں مبیع کا عیوب سے پاک ہونا مشروط ہے دلالۃ، اور دلالت سے ثابت ہونے والی چیز، نص سے ثابت ہونے والی چیز کی طرح ہوتی ہے،تو گویا خیار عیب بندے کے (شرعی) حق کے طور پر ثابت ہے۔

فتاوٰی عالمگیری میں لکھا ہے:

خیار العیب یثبت من غیر شرط، واذا اشتریٰ شیاً لم یعلم بالعیب وقت الشراء ولا علمہ قبلہ والعیب یسیر أو فاحش فلہ الخیار ان شاء رضی بجمیع الثمن وان شاء ردہ۔[46]

خیار عیب شرط لگانے کے بغیر ثابت ہوتا ہے، اگر کسی (گاہک) نے کوئی چیز خرید لی اور خریدتے وقت یا اس سے پہلے اس کو کوئی عیب نظر نہ آئے اور پھر تھوڑا یا بہت عیب (اس مبیع) میں گاہک کو ظاہر ہوا تو وہ اس بات میں مختار ہے کہ مبیع کو واپس کریں اور اس کی قیمت کا مطالبہ کریں یا پوری قیمت ہی سے لے لے۔

عالمگیری کے اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ بیع میں خیار عیب گاہک کے لیے شرط لگائے بغیر ثابت ہوتا ہے، سامان کا مالک راضی ہو یا نہ ہو، اور یہ گاہک کا شرعی حق ہے، البتہ مالک کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ اگر مشتری (گاہک) عیب کے باوجود سودا لینا چاہتا ہو تو قیمت پوری ادا کرنی ہوگی اور وہ اس کا مجاز نہ ہوگا کہ عیب اور نقصان کے بقدر قیمت کے کمی کا مطالبہ کریں کیونکہ فقہ کا قانون یہ ہے کہ عیب اور نقصان کے مقابلے میں ثمن (قیمت) کا کوئی حصہ کاٹا نہیں جاتا اس لیے کہ عیب کوئی مال نہیں کہ اس کے مقابلے میں قیمت کا کوئی حصہ آجائے بلکہ یہ وصف ہے اور وصف کے مقابلے میں قیمت کا کوئی حصہ نہیں آتا۔ البتہ صاحب فتح القدیر علامہ ابن ھمام کی بات بھی وزنی ہے وہ صاحب ھدایہ کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

واذا اطلع المشتری علی عیب فی المبیع فھو بالخیار ان شاء أخذہ بجمیع الثمن وان شاء ردہ لان مطلق العقد یقتضی وصف السلامۃ فعند فواتہ یتخیر۔[47]

یعنی مشتری کو مبیع میں جب عیب کا علم ہو جائے تو کل ثمن سے لینے یا بیع منسوخ کرنے کا وہ مجاز ہے، کیونکہ ہر عقد اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ بیچا جانے والا سودا تمام عیوب سے پاک ہو۔ اور آگے شرح میں لکھتے ہیں کہ "ولم یکن شرط البراءۃ من کل عی "[48] اور بیچنے والے نے تمام عیوب سے سبکدوشی کا اعلان بھی نہ کیا ہو۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر مالک گاہک سے یہ کہے کہ میں سودا تیرے ہاتھ بیچتا ہوں لیکن میں کسی قسم کے عیب کا ذمہ دار نہ ہوں گا اور اس بات کو مشتری نے قبول بھی کر لیا تو معاملہ طے پانے کے بعد جس قسم کا عیب بھی سودا میں نکل آئے، مالک شرعا اس کا ذمہ دار نہ ہو گا اور گاہک ہر گز سودا واپس نہیں کر سکتا۔

خیار عیب کب معتبر ہے؟

خیار عیب اس وقت معتبر ہو گا جب مندرجہ ذیل شرطیں پائی جائیں۔ سودا کرنے کے وقت یا اس کے بعد مبیع مشتری کو سپرد کرنے کے وقت سے پہلے پہلے عیب پیدا ہو گیا ہو، اگر اسکے بعد پیدا ہو گیا ہو تو مشتری کے لیے خیار عیب ثابت نہ ہو گی۔ اسی طرح یہ عیب قبضہ کے بعد مشتری کے ہاں بھی نمایاں ہو ۔قبضہ اور عقد (معاملہ) کرتے وقت مشتری کا عیب سے ناواقف ہونا بھی ضروری ہے، اگر ان اوقات میں مشتری کو عیب کا علم تھا تو اس کے لیے خیار عیب ثابت نہ ہو گی۔ سامان کے مالک یعنی بائع نے تمام عیوب سے بیزاری کا اعلان نہ کیا ہو اگر اس نے یہ شرط لگائی ہو کہ میں کسی قسم کے عیب کا ذمہ دار نہ ہوں گا تو پھر مشتری کے لیے خیار عیب ثابت نہ ہو گی۔

خیار عیب کا حکم

خیار عیب کے ہوتے ہوئے جو سامان فروخت کیا جائے تو گاہک اس کا مالک ہے لیکن خیار عیب کے وقت تک یہ ملکیت عارضی ہے، اگر اس نے خیار عیب استعمال کرتے ہوئے بیع کو فسخ کر دیا تو اس کی ملکیت باطل ہو جائے گی۔

خیار عیب ورثہ کو بھی منتقل ہو سکتا ہے، یعنی گاہک مبیع خریدنے کے بعد اچانک مر جائے تو ورثہ خیار عیب کا استعمال کرتے ہوئے بیع کو فسخ کر سکتے ہیں۔

فقہ اسلامی میں "خیار تعین" کا مفہوم

تعین کے معنی ہیں معین اور ممتاز کرنا۔ اصطلاح فقہ میں خیار تعین کے معنی یہ ہیں:

وھو ان یبیع احد العبدین او الثلاثة او احد الثوبین او الثلاثة علی ان یاخذ المشتری واحدا۔[49]

خیار تعین یہ ہے کہ دو یا تین غلاموں یا کپڑوں میں کسی ایک کو اس شرط کے ساتھ بیچے کہ مشتری ان سے ایک کو خریدیں گے۔

معاملات اور بیوعات عمومی طور پر ایک معین اور معلوم مبیع میں ہوا کرتی ہیں لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشتری مبیع کے چند افراد میں کسی ایک کو خریدنا چاہتا ہے۔ایسے موقع پر وہ ان افراد میں اپنے لیے خیار تعین کا مطالبہ کرتا ہے،یعنی مشتری کہتا ہے کہ میں ان افراد میں کسی ایک کو منتخب کر کے اس کی قیمت ادا کروں گا اور باقی افراد کو واپس کروں گا،تو کیا شریعت میں ایسا کرنا جائز ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں جائز تو ہے لیکن مطلقاً نہیں بلکہ چار سے کم افراد میں انتخاب کر سکتا ہے زیادہ میں نہیں۔ صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں:

وصح خیار التعین فیما دون الاربعة۔[50]

فروخت ہونے والی اشیاء دو قسم کی ہیں ایک قسم وہ اشیاء ہیں جن کو قیمی کہا جاتا ہے یعنی اگر وہ ہلاک ہو جائے تو تاوان میں اس کی قیمت ادا کی جائی گی اور ایک قسم ان اشیاء کی ہے کہ جب وہ ہلاک ہو جائے تو تاوان میں ان کی قیمت نہیں بلکہ ان کا مثل دیا جائے گا ایسے اشیاء کو مثلی کہا جاہے۔ مثلی چیزوں میں خیار تعین صحیح نہیں ہے اور قیمی چیزوں میں صحیح ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ چار سے کم مثلی چیزوں میں خیار تعین جائز ہے اور قیمی میں جائز نہیں ہے۔اور چار میں صحیح نہیں ہے۔

صح خیار التعین فی القیمیات لا فی مثلیات فیما دون الاربعة۔ ولا یصح فی الاربعة۔[51]

قیمی چیزوں میں خیار تعین چار سے کم چیزوں میں جائز ہے، مثلی میں جائز نہیں اور چار میں جائز نہیں۔

اگر مشتری خیار تعین کے ساتھ دو چیزیں لے جائیں تو ایک مشتری کی ملک ہو گی اور ایک بائع کی امانت ہو گی،اسی دوران کہ یہ دونوں چیزیں مشتری کے قبضہ میں ہیں اگر خدانخواستہ ایک چیز ہلاک اور ضائع ہو جائے تو مشتری کے ذمہ ثمن یعنی بائع اور مشتری کے درمیان طے شدہ قیمت ادا کرنا لازم ہو گیا۔جب بائع اور مشتری دونوں راضی ہوں تو مشتری کے لیے خیار تعین کے ساتھ خیار شرط لگانا بھی جائز ہے ،مثلاً مشتری نے دو کپڑے یا دو اور چیزیں بائع سے لے کر کہا کہ میں ان دونوں میں سے ایک کو متعین کر کے قیمت ادا کروں گا اور دوسرا لوٹا لوں گا لیکن میرے لیے تین دن خیار ہو گی تو یہ جائز ہے،پس اگر اس نے ایک کپڑے کو واپس کیا تو یہ خیار تعین کی وجہ سے ہو گا،دوسرے کپڑے میں اس کو خیار شرط حاصل ہے جب تک خیار شرط کا وقت ختم نہ ہوئی ہو اس وقت تک وہ دوسرے کپڑے میں بیع کے رد کرنے اور نافذ کرنے کا مجاز ہے،اگر رد کیا تو مبیع واپس کرے گا اور اگر نافذ کیا تو ثمن ادا کرے گا۔

کبھی کبھی مشتری غافل ہو جاتا ہے اور تین دن گزر جاتے ہیں لیکن وہ نہ تو ایک چیز کو معین کر کے دوسرے کو واپس کرتا ہے اور نہ بیع کو رد کر کے دونوں کو لوٹاتا ہے، اگر ایسی صورت پیش آئی تو مشتری کے لیے جو خیار تعین ثابت تھا وہ باطل ہو گیا اور ایک چیز میں بیع خود بخود نافذ ہو گیا اب یہ مشتری کے ذمہ ہے کہ وہ ایک کو معین کر کے اس کی قیمت کو ادا کرے اور دوسرے کو واپس کرے کیونکہ وہ اس کے پاس امانت ہے جس کا لوٹانا ضروری ہے۔

خیار تعین کا وارث کو منتقل ہونا

انسان کے لیے اپنی ضرویات کو پوری کرنا ناگزیر ہے،وہ بیمار کیوں نہ ہو لیکن جب کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے تو اگر خود نہیں خرید سکتا تو کسی دوسرے شخص کو رقم دے کر خریدنے کے لیے بیچتا ہے ،اسی طرح کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ سودا خریدنے کا معاملہ جاری ہوتا ہے مثلا مشتری بائع سے دو یا تین چیزوں کو خیار شرط مع خیار تعین کے ساتھ لے کر اپنے مکان لے گیا، اور ابھی نہ تین دن گزرے تھے اور نہ اس نے تعین کیا تھا کہ اچانک مشتری فوت ہو گیا تو اس صورت میں خیار شرط تو باطل ہو گیا، اب وارث کو دونوں یا تینوں چیزوں کے واپس کرنے کا کوئی اختیار نہ ہو گا، البتہ خیار تعین وارث کو منتقل ہو گیا، لیکن یہ میراث نہ ہو گی بلکہ بائع اور مورث کی ملکیت کا اختلاط تھا، اس لیے وارث کو مورث کی ملکیت جدا کرنے کے لیے اختیار دیا گیا تا کہ وہ ایک چیز کو متعین کر کے باقی چیزوں کو واپس کر دے اور جب وہ ایک چیز کو متعین کرے تو بقیہ چیزیں اپنے مالک کو واپس کرنے تک اس کے پاس امانت رہیں گی۔

خیار تعین کی صورت میں اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو ضمان اور تاوان کس پر ہے؟

جس طرح بیع اور خرید وفروخت فریقین کے لیے سہولت کا باعث ہو وہ اسی طرح کرتے ہیں اور شریعت نے بھی ممکن حد تک گنجائش دی ہے تو خیار تعین بھی اسی گنجائش کی ایک کڑی ہے، پھر کبھی تلف اور ہلاکت کی صورت بھی پیش آتی ہے تو اس کا نقصان کون برداشت کرے گا؟،اس کا بھی شریعت نے محل بتایا ہے کہ جس کی طرف سے تعدی یا سستی ہو وہی نقصان برداشت کرے گا۔ جب مشتری خیار تعین کے ساتھ دو چیزوں میں سے ایک کا سودا کرے اور ابھی دونوں چیزیں بائع کے قبضہ میں تھیں کہ ایک چیز ہلاک ہو گیا تو ہلاک ہونے والا چیز امانت کے لیے متعین ہو گیا اور جو چیز موجود ہے وہ مبیع بننے کے لیے متعین ہو گیا، اب مشتری کو اختیار ہے چاہے لے لے اور چاہے تو واپس کرے لیکن اگر

دونوں چیزیں ہلاک ہوئیں تو بیع باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح جب مبیع کو تین افراد میں سے ایک کو متعین کرنا تھا اور ایک ہلاک ہو کر دو باقی رہ گئے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دونوں میں سے ایک کو متعین کر کے اس کی قیمت ادا کرے اور چاہے تو دونوں کو واپس کرے اور اگر تینوں چیزیں ہلاک ہوئیں تو بیع باطل ہو جائے گی۔ ان تمام صورتوں پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس میں مشتری کی کوئی غلطی نہیں ہے نہ اس کی طرف سے کسی قسم کی سستی ہے، بلکہ مبیع کے افراد ابھی تک بائع کے ہاتھ میں تھے اور اسی سے ہلاک ہوئیں۔ اگر مشتری دو چیزوں میں سے ایک کو خیار تعین کے ساتھ خرید لے اور ان میں سے صرف ایک پر قبضہ کرے پھر وہی مقبوض چیز مشتری سے ہلاک ہو جائے تو یہی چیز بیع کے لیے متعین ہو گی اور مشتری طے شدہ قیمت کو ادا کرے گا، اگر اس نے دوسری چیز کو بھی قبضہ کر دیا تو یہ اس کے پاس امانت ہو گی، اس کو اپنے مالک یعنی بائع کی طرف واپس کرے گا۔ اگر دونوں چیزیں مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد یکے بعد دیگرے ہلاک ہوئیں تو پہلی چیز ہلاکت سے پہلے بیع کے لیے متعین ہو گیا اور مشتری کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس کی مقرر شدہ قیمت ادا کرے اور اگر ایک ساتھ ہلاک ہوئیں تو دونوں چیزوں کی نصف نصف قیمت ادا کرنا مشتری کے ذمہ ضروری ہو گیا۔ اگر مالک سلعہ (سامان کا مالک) گاہک سے اس بات میں نزاع اور جھگڑا کرے کہ پہلے ہلاک ہونے والی چیز زیادہ قیمتی تھی جبکہ گاہک کے خیال میں بعد میں ہلاک ہونے والی چیز پہلے ہلاک ہونے والے سے زیادہ قیمتی تھی تو اس صورت میں قسم کے ساتھ مشتری اور گاہک کی بات تسلیم کی جائی گی، لیکن مالک یا گاہک میں سے اگر کسی ایک نے گواہ قائم کیے تو پھر گواہوں کا اعتبار ہو گا اور قسم ساقط ہو جائے گی، گواہ خواہ بائع اور مالک کے ہوں خواہ گاہک کے، یعنی جس کے گواہ ہوں اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو بائع کے گواہوں کو تسلیم کر کے ان پر فیصلہ کیا جائے گا، یعنی فیصلہ بائع کے حق میں کیا جائے گا۔ اور مشتری کے گواہوں کو توجہ نہ دی جائے گی۔

خیار تعین کے دوران مبیع میں کوئی عیب پیدا ہونے کے شرعی احکامات:

جب ایک گاہک کسی سامان کے مالک سے اس طرح خرید و فروخت کا معاملہ کرے کہ میں ان دو چیزوں میں ایک کو منتخب کر کے لے لوں گا، دونوں چیزیں مالک کے قبضہ میں تھیں کہ ایک چیز عیب دار ہو گئی تو یہ عیب والی چیز بیع کے لیے متعین نہ ہو گا، اگر مشتری چاہے تو کل طے شدہ قیمت ادا کر کے یہی

عیب دار چیز لے لے اور چاہے تو اس کو چھوڑ کر وہ دوسری بے عیب چیز کو اس کی طے شدہ قیمت پر لے لے، اور یہ بھی اختیار ہے کہ دونوں کو چھوڑ دے۔ غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں بھی گاہک کی کوئی کوتاہی نہیں ہے بلکہ مالک کا اپنا مال اس کے اپنے ہاتھوں عیب دار ہوا ہے، لہٰذا اس کی کوتاہی کا خمیازہ اسے ہی بھگتنا پڑے گا، مشتری اسے چھوڑ کر دوسرے کو خرید لے گا، ہاں اگر مشتری یہ احسان کرنا چاہے کہ عیب کے باوجود اسی چیز کو خرید لے تو وہ اس کا بھی مجاز ہے، خواہ مبیع میں کوئی اور عمدہ صفت ہو جس کی وجہ سے وہ عیب کے باوجود نفع کے ساتھ بیچنے کی امید ہو، خواہ مشتری بطور احسان بائع کو بچا کر خود تاوان مول لینا چاہتا ہو، مشتری کو خریدنے یا چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے گا اور وہ اپنے نفع حاصل کرنے یا تاوان برداشت کرنے میں مختار ہے۔ جب بائع کے پاس دونوں چیزیں عیب دار ہو جائیں تو مشتری قیمت کم کرنے کا مجاز نہیں ہے البتہ اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ عیبوں کے باوجود ہر ایک کے مقرر شدہ قیمت کے مطابق ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے خرید لے یا دونوں کو چھوڑ دے، چونکہ سودا کرتے وقت مبیع کے افراد سالم تھے اب عیب پیدا ہو گیا اور عیب ایک ایسا وصف ہے جس کے مقابلے میں ثمن اور قیمت کا کچھ حصہ گھٹانا یا بڑھانا جائز نہیں ہے اس لیے مشتری وہی مقرر شدہ قیمت پر خرید لے گا، ہاں اس عیب کے نقصان سے بچنے کے لیے اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ مبیع کو چھوڑ دے۔ یہ تو وہ صورتیں تھیں جن میں کوتاہی مالک کی تھی اب وہ صورتیں بیان کریں گے جن میں کوتاہی یا سستی گاہک اور خریدار کی ہو گی اور اسے اپنی کوتاہی کے بدلے میں نقصان بھی اس کو اٹھانا پڑے گا۔ اگر ایک گاہک اور خریدار کسی سامان کے مالک سے دو چیزوں میں سے ایک کو خیار تعین کے ساتھ خرید لے پھر دونوں پر قبضہ بھی کرے اور اس کے قبضہ میں ایک چیز میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو یہی عیب والا چیز بیع کے لیے متعین ہو گیا دوسرا مشتری کے پاس امانت ہے اور اگر دونوں میں عیب پیدا ہو گیا تو جو پہلے عیب دار ہو گیا ہو وہی بیع کے لیے متعین ہو گیا دوسرا واپس کرے گا اور اگر ایک ساتھ دونوں عیب دار ہوئیں تو جس کو چاہے کل طے شدہ قیمت کے عوض لے لے اور مشتری کو اس صورت میں واپس کرنے کا کوئی اختیار نہ رہے گا کیونکہ اب مبیع میں تصرف کرنے اور نقصان پیدا ہونے کی وجہ سے مشتری کا خیار شرط باطل ہو چکا ہے، البتہ اگر ایک کا عیب بڑھ جائے یا ایک میں دوسرا عیب پیدا ہو جائے تو یہی بیع کے لیے متعین ہو گیا یعنی گاہک اسی کو اس کے طے شدہ قیمت کے عوض قیمت ادا کر کے لے جائے گا۔

خیار تعین کے ساتھ خریدے ہوئے مال میں تصرف کرنے کا حکم:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گاہک دو چیزوں میں سے ایک چیز کو خیار تعین کے ساتھ خرید لیتا ہے پھر اس میں ایسا تصرف کرتا ہے جیسے اس کا اپنا مالک اس میں تصرف کرتا ہے مثلاً اس کو آگے بیچتا ہے یا اسے ہبہ کرتا ہے، اگر کسی گاہک نے ایسا کیا تو اس کا خیار تعین ختم ہو گیا اور جس چیز میں اس نے مالکانہ تصرف کیا ہے وہ بیع کے لیے متعین ہو گیا۔ گاہک اس کی طے شدہ قیمت مالک کو ادا کرے گا اور دوسری چیز کو واپس کرے گا۔ اس کے برعکس اگر گاہک کی بجائے مالک نے ایک میں تصرف کیا تو اس کا تصرف اس وقت تک موقوف رہے گا جب تک کہ کوئی ایک مبیع بننے کے متعین نہ ہو جائے۔ اگر یہی مبیع بن گیا تو مالک کا تصرف باطل ہو جائے گا اور اگر یہ مشتری (گاہک) کے پاس بطور امانت رہ گیا اور دوسرا بیع کے لیے متعین ہو گیا تو اس میں مالک کا تصرف نافذ ہو جائے گا مثلاً اگر مالک نے کسی اور کے ہاتھ بیچا ہو تو اس کا موقوف بیع اب نافذ ہو جائے گی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشتری دونوں چیزوں میں مالکانہ تصرف کرتا ہے اس صورت میں گاہک کے لیے خیار شرط تو باطل ہو جائے گا البتہ خیار تعین اب بھی باقی ہے، دونوں چیزوں کو واپس تو نہیں کر سکتا لیکن دونوں میں ایک کو منتخب کر کے اسکی طے شدہ قیمت کو ادا کرے گا۔ اگر گاہک دو چیزوں میں سے ایک کو خیار تعین کے ساتھ خرید لے پھر دونوں کو آگے بیچے اس کے بعد خیار تعین کا استعمال کرتے ہوئے ایک کو بیع کے لیے متعین کرے تو اس ایک میں بیع یعنی اس کا آگے بیچنا صحیح ہو جائے گا۔ جب ایک گاہک کپڑے کے مالک سے سودا کر کے اس سے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کو خیار تعین کے ساتھ خرید لے پھر اس میں ایسا تصرف کرے کہ ایک کپڑے کو سیے یا اس کو رنگ کرے تو یہی مبیع بننے کے لیے متعین ہو گیا، اس کی مقرر کردہ قیمت کو ادا کرے گا اور دوسرے کپڑے کو واپس کرے گا، اگر مالک اور گاہک کا اختلاف آ گیا مثلاً گاہک نے دو چادر لے کر ایک کو رنگ دے دیا گویا اس کو بیع کے لیے متعین کر دیا تو مالک کہتا ہے کہ جس کو تو نے رنگ دیا ہے وہ ۳۰۰ روپے کا ہے اور دوسرا ۱۰۰ روپے کا ہے اور گاہک کہتا ہے کہ نہیں جس کو میں نے رنگ دیا ہے وہی ۱۰۰ روپے کا ہے، تو اس صورت میں نزاع کو ختم کرنے کے لیے گاہک کا قول لیا جائے گا مگر قسم کے ساتھ۔

معاصر پاکستانی قوانین اور اسلامی تعلیمات میں صارفین کے حقوق کا تقابل

صارفین کے حقوق کی تحفظ کے لئے قانون سازی کا عمل تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد اسلامی تعلیمات اور سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں صارفین کے حقوق کا تذکرہ کیا گیا اب ذیل میں مختصر تقابل پیش کیا جائے گا۔

- صارف سے مراد:

اسلام آباد کنزویمر پروٹیکشن ایکٹ اور تمام صوبائی اسمبلیوں کے ایکٹوں کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ صارف سے مراد وہ شخص یا ادارہ / تنظیم ہے جو ذاتی استعمال کے لئے کوئی خریداری کرتا ہے اگر وہ خریداری تجارت کے ارادے سے کرے تو "صارف" کی تعریف اس پر صادق نہ آئے گی جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں مشتری (صارف) عام ہے چاہے وہ ذاتی استعمال کے لئے خریداری کرے یا تجارت کی نیت سے دونوں صورتوں میں صارف ہو گا۔

- صارفین کو دھوکہ دینے کی ممانعت

تمام ایکٹوں میں مندرجہ ذیل دفعات موجود ہیں:

- ایسی جھوٹی نما اشیاء یا خدمات نمائندگی جس سے یہ سمجھا جائے کہ وہ چیز یا خدمات کسی خاص معیار مقدار بوجہ قسم ملاوٹ یعنی اس میں کوئی چیز مخفی لکھی گئی ہو۔
- کوئی ایسی چیز جس کو دوبارہ مرمت کیا گیا ہو اور اس کو نئی چیز کے داموں فروخت کیا جا رہا ہو یا ظاہر کیا جا رہا ہو کہ یہ نئی چیز ہے۔
- ایسی جھوٹی نمائندگی جو عام کمپنی کو خاص ظاہر کیا جائے۔ جو معیاری نہ ہو بس ظاہر کیا گیا ہو۔
- ایسی غلط نمائندگی جس کے ذریعے یہ ظاہر کیا گیا ہو کہ کسی چیز کا استعمال انتہائی ضروری ہو۔
- عوام کو غلط وارنٹی / گارنٹی دینا
- غلط طور پر مکان / گھر وغیرہ فروخت کرنا جس میں مخصوص سہولیات موجود نہ ہو۔
- عوام کو غلط یقین دہانی کرانا
- ایسے نجی تعلیمی ادارے جو قومی یا بین الاقوامی مجاز اتھارٹی سے منظور شدہ نہ ہوں اور تشہیر کریں کہ وہ منظور شدہ ہیں۔
- غلط نمائندگی کہ ماہرین کی خدمات کی سہولیات میسر ہیں مثلاً ڈاکٹرز، انجینئرز، حکماء وغیرہ

- ایسے غلط حقائق کسی دوسرے ادارے یا فرم کے بارے میں پیش کرنا جس وہ سے بدنام ہو۔
- بذریعہ خط / اشتہار ضروریات زندگی یا خدمات کی غلط تفصیلات بیان کرنا

مذکورہ تمام نکات سیرت النبی ﷺ اور تعلیمات اسلامی سے ثابت ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا مشہور ارشاد ہے: من غش فلیس منا[52] نبی کریم ﷺ کا گزر ایک مرتبہ ایک تاجر پر سے ہوا جو کھانے کی اشیاء کو فروخت کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اناج کے اندر ہاتھ داخل کیا جو اندر سے تر تھا آپ ﷺ نے فرمایا جس نے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[53]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ایک اصول حیثیت رکھتا ہے جو مندرجہ بالا تمام دفعات کو شامل ہے۔

- ممنوع کاروبار کی وضاحت

قومی اور صوبائی اسمبلیوں سے منظور شدہ تمام ایکٹوں میں یہ مندرجہ ذیل باتیں عمومی ہیں جس میں ممنوع کاروبار اور ممنوع لین دین کو قانونا جرم قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے بھی بہت سارے ایسے بیوعات کا ثبوت ملتا ہے جو شریعت اسلامی میں ناجائز شمار کئے جاتے ہیں۔ مثلا بیع مکروہ، بیع باطل، بیع فاسد، بیع غرر،، بیع حبل الحبلہ، بیع ملامسہ ، بیع منابذہ، بیع حصاۃ، بیع مزابنہ ومحاقلہ، بیع المضامین والملاقیح، بیع الحاضر للبادی، بیع تلقی الجلب، بیع نجش، بیع مزائدہ، بیع عربان، بیع عریہ، بیع سنین ومعاومہ، بیع عینہ، بیع مصراۃ، ان تمام بیوعات کی تفصیل گزر گئی ہے۔

جس طرح معاصر قوانین میں مختلف کاروبار اور لین دین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے بالکل اس طرح نبی کریم ﷺ نے بھی معاشرہ کو مدنظر رکھ کر مختلف مواقع اور مختلف مقامات پر احکامات صادر کئے ہیں جس کی رو سے لوگوں کے درمیان مختلف لین دین کو ناجائز قرار دیا ہے۔

نتائج بحث:

- صارفین کے حقوق شریعت محمدی ﷺ میں تفصیلا مذکور ہیں۔
- نبی کریم ﷺ نے لوگوں کے آپس میں معاملات کے لئے ہدایات کا کافی ذخیرہ فراہم کیا ہے۔
- اسلام نے صارفین کو دھوکہ دینے سے منع کیا ہے۔
- پاکستانی قوانین میں صارفین کے حقوق کے لئے جامع قانون سازی کی گئی ہے۔
- پاکستانی قوانین جو صارفین کے حقوق کے تحفظ سے متعلق ہیں وہ شریعت نبوی ﷺ کی تعلیمات سے متصادم نہیں ہیں۔

حوالہ جات وتعلیقات

1۔ اسلام آباد کنزومر پروٹیکشن ایکٹ ۱۹۹۵ء

2۔ ایضا

3۔ ایضا

4. http://www.na.gov.pk/uploads/documents/1328144629_603.pdf

5. http://www.punjablaws.gov.pk/laws/477.html

6. http://www.punjablaws.gov.pk/laws/477.html

7. http://www.punjablaws.gov.pk/laws/477.html

8. http://www.punjablaws.gov.pk/laws/477.html

9. http://www.punjablaws.gov.pk/laws/477.html

10. http://www.punjablaws.gov.pk/laws/477.html

11.http://www.kp.gov.pk/uploads/2016/10/1.NWFP_consumers_Protection_Act_1997_pdf

12.http://www.crc.org.pk/pdf/Sindh%20Act%20No.XVII%20of%202015.pdf

13. http://nasirlawsite.com/laws/bcpa.htm

14۔ الجمعۃ، ۶۲:۱۰

15۔ کیرانوی، مولانا وحید الزمان قاسمی، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، جون ۲۰۰۱ء، ۱:۱۹۴

16۔ الموسوعۃ الفقہیہ الکوتیہ، الاصدار وزارت الاوقاف والشئو ن الاسلامیہ الکویت، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء، ۱۰:۱۵۱

17۔ القاموس الوحید، ۱:۱۹۴

18۔ ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ، الشیخ کمال الدین محمد بن عبد الواحد، (المتوفی ۸۶۱ھ)، فتح القدیر، ، المکتبۃ الحبیبیہ، کانسی روڈ ، کوئٹہ ملتان، سن اشاعت ندارد، ۵:۴۵۵

19۔ فتح القدیر ۵:۴۵۶

20۔ بخاری ، محمد بن اسماعیل البخاری ،الجامع الصحیح،قدیمی کتب خانہ ، آرام باغ ، کراچی ، اشاعت ثانی :
۱۹۶۱ء/۱۳۸۱ھ،۱:۲۹۰

21۔ ایضا

22۔ مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح، مکتبہ البشریٰ، کراچی سن اشاعت 2011ء، ۸:۵

23۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد ابن عیسیٰ ابن سورۃ، السنن، باب ماجاء فی بیع المحاقلہ والمزابنہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار،
لاھور، ۱:۳۶۳

24۔ ایضا ۱: ۲۶۲

25۔ ایضا ۱: ۳۶۲

26۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱:۲۸۷

27۔ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، (۹۷۰ھ) البحر الرائق، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، سن اشاعت ندارد، ۳:۶

28۔ الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، ۲۰:۴۱

29۔ البحر الرائق، ۶/۳

30۔ ایضا ۱:۳

31۔ ایضا

32۔ المرغینانی، برہان الدین ابی الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی، المتوفی ۵۹۳ھ، الھدایۃ، مکتبہ رحمانیہ، اقراء سنٹر
، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ ۳:۳۰

33۔ مولانا الشیخ نظام وجماعۃ من علماء الھند الاعلام، مکتبہ علمیہ ، الفتاویٰ العالمگیریہ المعروف بالفتاویٰ الھندیہ
، اکوڑہ خٹک، سن اشاعت ندارد۔ ۳:۳۸

34۔ ایضا

35۔ الکاسانی، امام علاء الدین ابی بکر ابن مسعود، الحنفی، (المتوفی ۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار
النشر، کراچی، سن اشاعت ندارد۔ ۷:۲۱

36۔ البحر الرائق، ۶/۴

37۔ المرغینانی، الھدایۃ، ۳۰:۳

38۔ ابن نجیم، البحر الرائق، ۴:۶

39۔ ابن ہشام، فتح القدیر، ۵:۵۳۰

40۔ الفتاویٰ العالمگیریہ المعروف بالفتاویٰ الھندیہ، ۳:۵۳۰

41۔ فتح القدیر، ۵:۵۳۱

42۔ ھدایۃ، ۳:۳۸

43۔ البحر الرائق، ۶:۴۴

44۔ فتح القدیر، ۶:۲

45۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۱:۳۲۱

46۔ الفتاویٰ العالمگیریہ المعروف بالفتاویٰ الھندیہ، ۳:۶۶

47۔ ابن ہشام، فتح القدیر، ۶:۲

48۔ ایضا

49۔ ابن نجیم، البحر الرائق، ۶:۳۸

50۔ ایضا، ۶/۳۵

51۔ الفتاویٰ العالمگیریہ المعروف بالفتاویٰ الھندیہ، ۳:۴۵

52۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان حدیث رقم 102

53۔ ابوداؤد، سلیمان ابن اشعث، السنن، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور، سن اشاعت ندارد۔ ۲:۱۳۳

قاضی ثناء اللہ پانی پتی بحیثیت سیرت نگار

(تفسیر مظہری کا خصوصی مطالعہ)

حافظ نوید اقبال

(پی ایچ ڈی سکالر شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد)

محمد ہمایوں عباس

(پروفیسر، ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورمینٹل لرنگ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد)

Abstract:

This article throws light on the biography writing of the Holy Prophet by Qazi Sanaullah Pani Patti in his renewed Tafseer "Tafseer-e-Mazhari". In his Tafseer the writer has described all the important and significant life events of the Holy Prophet such as life of Holy Prophet before the announcement of prophethood, life after announcement, Shaq-e-Sadar, Meraaj and the holy battles have been described in detail. The writer has also discussed the characteristics of the Holy Prophet and His Ummah. In this article, methodology of the biography writing has been discussed by Qazi Sanaullah and analyzed in detail. Firstly, the writer's method is historical and according to Muhadithin's method. Secondly, the writer has described all the incidents of Seerah in the light of Quraanic verses. Like other Holy biographers the writer has given the details of the life events of the Holy Prophet (Peace be upon Him). The writer has deep belongings to Sufism, so he has discussed the spiritual aspects of seerat-un-Nabi. Qazi Sanaullah Pani Patti has benifitted from Muhammad bin Isshaq mostly. Other writers, the writer has quoted are Muhammad bin Umer Waqdi, Abdul Malik Bin Heshaam, Muhammad bin Saad etc. In short, in Tafseer-e-Mazhari the Holy biography of Holy Prophet has been described in so much detail that the book looks like seerah book.

برصغیر میں اٹھارہویں صدی عیسوی میں متعدد علمی شخصیات نے تحقیق و تصنیف کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ ان میں ایک اہم نام قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ ایک باکمال مفسر، فقیہ، مجتہد، صوفی اور محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم سیرت نگار بھی تھے۔ آپ ۱۷۲۲ء میں پانی پت میں متولد ہوئے۔(۱) اور ۱۸۱۰ء میں وفات پائی۔(۲) قاضی صاحب نے حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد قراءت عشرہ میں مہارت حاصل کی۔ قاضی صاحب نے اپنے دور کی دو عظیم شخصیات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۷۶ھ ۔ ۱۷۶۲ء) اور مرزا مظہر جانِ جاناں (۱۱۶۵ھ ۔ ۱۷۸۲ء) سے اکتساب فیض کیا۔(۳) آپ نے سب سے پہلے شاہ محمد عابد سنامی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔ پھر ان کی وفات کے بعد مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ کی نگاہ فیض رساں سے اپنے قلب وروح کی معرفت و حقیقت کے نور سے خوب منور کیا۔ اور آپ کی وساطت سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات کو اپنے اوپر نافذ کیا۔(۴) مرزا مظہر جان جاناں نے انہیں علم الہدیٰ کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ شیخ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ”بیہقی وقت“ کا لقب عطا فرمایا۔(۵) قاضی صاحب نے تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، مناظرہ، سیرت و غیرہا علوم میں ترپن ۵۳ کتب تصنیف کیں۔ ان سب میں سے آپ کی اہم ترین تصنیف ”تفسیر مظہری“ ہے۔ یہ تفسیر تمام علوم کی جامع اور منفرد خصوصیات کی حامل تفسیر ہے۔ اگر اس میں احادیث اور آثار صحابہ کو دیکھا جائے تو یہ تفسیر بالآثار نظر آتی ہے۔ اور اگر اس کی فقہی مباحث کو دیکھا جائے تو یہ فقہی مسائل کا انسائیکلوپیڈیا نظر آتی ہے۔ جب کہ صرف و نحو کی تراکیب اور لغوی تحقیقات کا جائزہ لیا جائے تو بیضاوی اور کشاف کی ہم پلہ نظر آتی ہے۔ تفسیر مظہری کے علمی سرمایہ میں دیگر مباحث کی بہ نسبت مباحث سیرت کو خاص طور پر نمایاں اور ترجیحا ذکر کیا گیا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے خاص طور پر اپنی تصانیف میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے مختلف پہلوؤں کا تذکرہ کیا۔ سیرت طیبہ پر آپ نے بطور خاص تین رسائل قلمبند کیے:

۱۔ شمائل و اخلاق نبوی: یہ رسالہ ڈاکٹر محمود الحسن کے ترجمہ و تعلیقات کے ساتھ نفیس اکیڈمی نے (۱۴۱۹ھ ۔ ۱۹۹۸ء) میں شائع کیا۔ یہ رسالہ مختصر ہونے کے باوجود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و اخلاق کا ایک مجموعہ ہے جس میں قاضی صاحب نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی خصائل و محاسن اور متعلقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے سیر حاصل بحث کی ہے، شمائل میں مولد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر وصال نبی تک

کے فضائل، خصائل، کمالات وصفات، اوصاف حمیدہ، اخلاق، عالیہ، عادات حسنہ کا احاطہ کیا ہے۔ یہ رسالہ ۱۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲-رسالہ در نسب اطہر وازواج مبارکہ واولاد عالی گوہر سرور عالم ﷺ۔

اس رسالے میں قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سرور کائنات ﷺ کا نسب نامہ اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور اولاد اطہار کا مختصر حال بیان کیا ہے۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ اور دہلی میں کتب خانہ مولانا ابوالحسن میں مخطوطہ کی شکل میں محفوظ ہے۔

۳۔ تقدیس والدین مصطفی ﷺ: اس رسالہ میں نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان پر گفتگو کی گئی ہے۔

اس رسالہ میں قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت ﷺ کے والدین جناب حضرت عبد اللہ اور سیدہ آمنہ بنت وہب کی تقدیس اور ان کے ایمان کے اثبات پر مختصر اور جامع بحث کی ہے۔ اور رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے نجات یافتہ ہونے کے نظریہ کی وکالت کی ہے۔ مصنف نے محدثین کا منہج اختیار کیا ہے۔ تاہم بنیادی طور پر یہ رسالہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا خلاصہ ہے۔ (ا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تحقیق میں امام جلال الدین سیوطی کی تصنیف "مسالک الحنفاء" سے استفادہ کیا ہے) فاضل مصنف نے روایات کی تخریج میں مفصل سند کی بجائے مختصر سند پر اکتفاء کیا ہے۔ اصل راوی اور کتاب کے ذکر کو ہی کافی سمجھا ہے۔ قاضی صاحب کے ہاں اس مضمون کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے تفسیر مظہری میں جہاں اس موضوع پر انتہائی مفصل ابحاث کی ہیں وہیں اپنے اس مختصر رسالہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

صنف السیوطی رحمہ اللہ فی اثبات ایمان آباء النبی ﷺ اجمالاً وتفصیلاً وذکر فیہ مالۃ وماعلیہ ولخصت منہا رسالۃ (٦)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے آباء کے ایمان کے اثبات میں اجمالاً اور تفصیلاً ایک کتاب تحریر کی ہے اور اس میں اس کے بارے میں مفصل بحث اور اس پر ہونے والے اعتراضات وجوابات کا ذکر بھی کیا ہے اور میں نے ایک رسالہ کی صورت میں اس کی تلخیص کی ہے۔

مذکورہ تین رسائل کے علاوہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر "تفسیر مظہری" جو کہ علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہے، میں آیات سیرت کے ضمن میں سیرت طیبہ کے اہم مباحث کو ذکر کیا۔

زیر نظر مضمون میں خاص طور پر تفسیر مظہری کی روشنی میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے منہج سیرت نگاری کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج سیرت نگاری:

تفسیر مظہری قرآن کریم کی ایک مستند اور جامع تفسیر ہے اس میں مصنف نے تمام موضوعات قرآنی پر مفصل اور سیر حاصل ابحاث کی ہیں۔ آیات قرآنیہ کی تشریح و توضیح میں احادیث و آثار کے ساتھ ساتھ متقدم مفسرین کی آراء سے استفادہ کیا ہے۔ اس ضمن میں وہ آیات کریمہ جن کا تعلق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ساتھ ہے ان کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے کثرت سے روایات سیرت کو ذکر کیا ہے۔

ا۔ محدثانہ اسلوب سیرت نگاری:

قاضی صاحب اعلیٰ پائے کے محدث بھی تھے، تفسیر میں حدیث اور علوم حدیث کا بیش بہا مواد موجود ہے۔ آپ نے روایات سیرت کو ذکر کرتے وقت محدثانہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ محدثانہ اسلوب میں کتب حدیث اور روایات سے اعتنا کیا جاتا ہے۔ تفسیر مظہری میں احادیث، آثار صحابہ کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے جو اس کو دیگر تفاسیر سے ممتاز کرتا ہے۔ قاضی صاحب روایات سیرت ذکر کرتے وقت سب سے پہلے صحیحین کی روایات ذکر کرتے ہیں، بعد ازاں دیگر مصادر سیرت کی روایات نقل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ مزمل کی ابتدائی آیات کی تشریح میں پہلی وحی کے حوالہ سے روایت کو نقل کرتے ہوئے صحیحین کی دو روایات کو اس انداز سے لکھتے ہیں:

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کے انقطاع کے بارے میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا اسی اثناء میں کہ میں چل رہا تھا کہ میں نے آواز سنی میں نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی تو وہی فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا۔ وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس کے رعب کی وجہ سے ڈر گیا۔ قریب تھا کہ میں

زمین پر گر پڑتا۔ میں اپنے گھر آیا۔ میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے یا ایھا المدثر سے لے کر فاھجر تک آیات کو نازل فرمایا۔ پھر لگاتار وحی آنے لگی۔ متفق علیہ"(۷)

تفسیر مظہری میں روایات سیرت کے ذکر کے ضمن میں قاضی صاحب کا مذکورہ منہج سیرت بکثرت دیکھا جا سکتا ہے۔ محد ثانہ اسلوب سیرت کے ضمن میں قاضی صاحب نے درج ذیل اصول روایت و درایت کا اہتمام کیا ہے۔

۱۔ احادیث کے مصادر و مراجع کا ذکر اہتمام سے کرتے ہیں۔

۲۔ احادیث و روایات کے اختلاف کو بھی بیان کرتے ہیں۔

۳۔ متعارض احادیث کی تطبیق بھی کرتے ہیں۔

۴۔ ایک مسئلہ پر مختلف روایات ہوں تو آخر میں نتیجہ کلام پیش کرتے ہیں۔

جیسا کہ حضور سید عالم ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کے حوالے سے روایات لکھنے کے بعد آخر میں تجزیہ پیش کیا ہے:

"یہ پیر کا دن تھا اور ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی۔ جریر بن حازم کی روایت جو ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ربیع الاول کی دوسری تاریخ تھی۔ ابراہیم نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ ربیع الاول کی ۱۲ر تاریخ تھی۔ ان اقوال میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری آخری رات میں ہوئی اور مدینہ طیبہ کی بستی میں آپ ﷺ دن کے وقت داخل ہوئے"۔(۸)

اسی طرح احادیث اور روایات میں اختلاف کی صورت میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ذکر بھی کیا ہے اور آخر میں اپنی رائے کا اظہار تجزیہ کی صورت میں کیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ کوثر کی آخری آیت کی تشریح میں حضرت قاسم علیہ السلام کی وفات کے بارے میں مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد اپنا تجزیہ اس طرح پیش کرتے ہیں:

میں کہتا ہوں میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ان آیات کا نزول حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت قاسم کی وفات پر نہیں ہوا کیونکہ حضرت قاسم کا وصال ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہو گیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کا وصال اعلان نبوت سے بھی پہلے ہوا۔ محمد بن علی رحمتہ اللہ علیہ سے جو روایت مروی ہے وہ جابر جعفی کی روایت ہے جو کذاب ہے جبکہ حضرت ابرہیم کا وصال سن دس ہجری کو

ہوا۔ واقدی رحمتہ اللہ علیہ نے اس قول کو یقین کے ساتھ ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ منگل کا دن تھا اور ربیع الاول کی دسویں تاریخ تھی۔ سبیل الرشاد میں بھی اسی طرح ہے۔ اس سورت کے نزول کے بارے میں صحیح روایت وہ ہے جو امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور بزاز رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی کہ جب کعب بن اشرف مکہ مکرمہ آیا اور اس نے وہ بات کی جو ذکر ہو چکی ہے تو یہ سورت نازل ہوئی۔(۹)

اسی طرح اہل طائف کے محاصرہ کی مدت پر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف روایات ذکر کی ہیں اس کے بعد ان کا تجزیہ کیا ہے۔ چنانچہ قاضی صاحب لکھتے ہیں:

"ابن اسحاق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک روایت لکھی ہے کہ اہل طائف کا محاصرہ تیس راتیں یا اس کے قریب قریب رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ بیس دنوں سے کچھ زائد وقت محاصرہ رہا۔ بعض نے پورے بیس دن اور بعض نے دس سے کچھ زائد دن ذکر کئے ہیں۔ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں یہ قول صحیح ہے۔ امام احمد اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ محاصرہ چالیس روز رہا۔ ہدایہ میں اس قول کو غریب لکھا ہے۔

امام بغوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں محاصرہ شوال کے بقیہ ایام تک رہا تھا۔ جب ذی القعدہ شروع ہوا تو آپ واپس تشریف لے گئے کیوں کہ یہ شہر حرام تھا اس میں جنگ منع تھی۔

میں کہتا ہوں یہ ابن حزم کے قول کے موافق ہے۔ اس صورت میں شہر حرام میں قتال پر کوئی دلالت نہ ہو گی جیسا کہ بعض نے اس آیت سے ان مہینوں میں حرمت قتل کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ تشریف لے آئے اور یہاں سے عمرہ کا احرام باندھا"۔(۱۰)

۲۔ مؤرخانہ اسلوب سیرت نگاری

سیرت نگاری کے آغاز ہی سے اس کے دو پہلو نمایاں ہو گئے۔ ایک پہلو تاریخی تھا جو سیرت نگاری کا عمومی اسلوب تھا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کو ترتیب سے جمع کیا گیا تھا۔ محدثین کے مقابلہ میں مؤرخین اور سیرت نگاروں کا تیار کردہ سیرتی مواد عوام میں زیادہ مقبول رہا جو ابن اسحاق، ابن ہشام، واقدی اور موسیٰ بن عقبہ کے ہاں نظر آتا ہے۔ قاضی صاحب نے بھی "تفسیر مظہری" میں

مورخانہ اسلوب کو بھی اختیار کیا ہے بلکہ غالب اسلوب پوری تفسیر میں آیات سیرت کی تشریح میں یہی نظر آتا ہے۔ حضور سید عالم ﷺ کا شجرہ نسب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مؤرخین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جد امجد حضرت عبد المطلب کے دادا عبد مناف کے دادا کا نام کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی تھا۔ کلاب سے پہلے اس کے تمام آباء واجداد نسل دین اسماعیل پر تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے باپ کی جانب سے وراثت میں ریاست کی نیابت بھی ملتی تھی اور ساتھ ہی انہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر کاربند رہنے کی وصیت بھی کی جاتی تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں دین ابراہیمی میں تبدیلی اور بتوں کی پوجا کا آغاز قصی بن کلاب کے زمانے میں ہوا۔ کعب بن لوی نے سب سے پہلے تمام عربوں کو جمع کیا تھا۔ قریش اس کے پاس جمع ہوتے تو وہ انہیں خطاب کیا کرتا حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت کا ذکر کرتا اور انہیں یہ بتاتا کہ آپ اس کی اولاد سے ہوں گے۔ پھر ساتھ ہی انہیں آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کرنے کا حکم بھی دیتا تھا اور پھر کچھ اشعار بھی سناتا۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

اَلَیتَنی شَاھِدًا فَحوَایَ دَعوَتِہِ ‏ ‏ ‏ اِذَا قُرَیشُ یَبغِیَ الحَقَّ خِذلَانَا

"کاش میں آپ ﷺ کی دعوت کے وقت حاضر ہوتا جبکہ قریش حق سے سرکشی اختیار کر لیں گے"۔(۱۱)

اسی طرح اکثر مقامات پر سیرت نگاروں اور مؤرخین کے حوالے سے لکھتے ہیں جس سے مؤرخانہ اسلوب کی نشاندہی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اوس وخزرج کا آپس میں کیا تعلق تھا۔ قاضی صاحب ان کا تعلق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"محمد بن اسحاق اور دوسرے تاریخ دانوں نے کہا کہ اوس اور خزرج دونوں حقیقی بھائی تھے۔ دونوں کے درمیان ایک مقتول کی وجہ سے عداوت واقع ہوئی اور یہ دشمنی اور جنگ کا سلسلہ ایک سو بیس سال تک جاری رہا۔"(۱۲)

۳۔ شان نزول کے ضمن میں روایات سیرت:

تفسیر مظہری میں فاضل مفسر نے آیات قرآنیہ کے شان نزول کے پس منظر میں کثرت سے واقعات سیرت ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۷۶ کے شان نزول کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہا اللہ تعالی نے دلائل میں شہر بن حوشب عن عبد الرحمن بن غنم کی حدیث نقل کی ہے کہ یہود نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا اگر آپ نبی ہیں تو شام جایئے کیونکہ شام ارض محشر ہے اور انبیاء کی زمین ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے انکی بات کی تصدیق کی اور غزوۂ تبوک پر شام کے ارادہ سے تشریف لے گئے۔ جب آپ تبوک کے مقام پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت نازل فرمائی:

{وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا} (۱۳)

"اور انہوں نے ارادہ کر لیا کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے اور (اگر انہوں نے یہ حماقت کی) تب وہ نہیں ٹھہریں گے (یہاں) آپ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ"۔(۱۴)

اسی طرح اکثر آیات قرآنیہ کے شان نزول میں صاحب تفسیر نے تفسیر مظہری میں سیرت النبی ﷺ کے واقعات کو ذکر کیا ہے۔

۴۔ آیات غزوات کے ضمن میں مباحث سیرت:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی سب سے زیادہ سیرت کا مواد غزوات النبی ﷺ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کیونکہ قرآن پاک کی آیات میں بڑی تفصیل سے غزوات النبی ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے تو ان آیات کی تفسیر میں قاضی صاحب نے بڑی تفصیل سے غزوات النبی ﷺ پر روشنی ڈالی ہے۔ یہاں تک کہ آپ صرف غزوات کو بیان نہیں کرتے بلکہ غزوات کے اسباب، واقعات اور غزوات کے دوران ظاہر ہونے والے معجزات اور نتائج کو بھی بالتفصیل بیان کرتے ہیں۔ غزوات کو بیان کرتے ہوئے آپ کتب مغازی پر انحصار کرتے ہیں جن میں ابن اسحاق، امام واقدی، موسیٰ بن عقبہ اور تمام مغازی کی بنیادی کتب شامل ہیں۔ غزوات قرآنیہ میں تفصیل تفسیر مظہری کی خصوصیات میں سے ہے۔ غزوہ اُحد کا ذکر جو آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۴ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"اصحاب مغازی نے ذکر کیا حضور ﷺ سات سو مجاہدین کے ساتھ احد کی گھائی میں فروکش ہوئے۔۔۔ پھر غزوہ احد کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔"(۱۵)

غزوہ بنو مصطلق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

محمد بن اسحاق اور دوسرے سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کو خبر پہنچی کہ بنو مصطلق جنگ کے لیے اکٹھے ہو رہے ہیں۔(۱۶)

پھر غزوہ کی تفصیل کو بیان کیا ہے۔ اسی طرح غزوات کی تفصیل کو اصحاب مغازی اور سیرت نگاروں کی روشنی میں ذکر کیا ہے۔ صرف غزوات کو ہی نہیں بلکہ غزوات قرآنی کی جزئیات کو بھی بیان کرتے ہیں۔

۵۔ تفسیر مظہری میں سیرت کے مآخذ:

تفسیر مظہری میں سیرت کے مآخذ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ قاضی صاحب کا اسلوب یہ ہے کہ جب بھی کسی روایت سیرت کو نقل کرتے ہیں تو ماخذ کا حوالہ ضرور دیتے ہیں یا تو مولف کا نام لکھتے ہیں یا تالیف کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ صرف ماخذ کا ذکر نہیں کرتے بلکہ تنقید رواۃ کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ اقوال میں تطبیق بھی کرتے ہیں۔ آپ نے کتب سیرت کے بنیادی مآخذ سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ صحاح ستہ سے لے کر شعب الایمان للبیہقی تک اور سیرت ابن اسحاق سے لے کر سبل الھدیٰ تک کثیر کتب حدیث وسیرت سے استفادہ کیا ہے۔ آپ نے کسی جگہ پر بھی ماخذ کے بغیر کوئی روایت نہیں لکھی بلکہ بغیر ضرورت کے ثانوی ماخذ سے روایت اخذ نہیں کرتے۔

تفسیر مظہری کے مآخذ سیرت میں ابن اسحاق کی مرکزیت:

فن سیرت میں محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ھ) کا نام تعارف کا محتاج نہیں۔ علامہ بلاذری کی روایت کے مطابق خلیفہ منصور عباسی کی فرمائش پر آپ نے سیرت کی کتاب تحریر کی۔ ابن اسحاق کی سیرت میں معلومات کی فراوانی تھی۔ اس لحاظ سے اسے جامع اور مفصل سیرت کی کتاب کہا گیا۔ دراصل یہ ہی وہ کتاب ہے جس پر بعد میں آنے والے مورخین اور مصنفین نے اعتماد کیا اور اسے سیرت کا اولین ماخذ قرار دیا کیونکہ اس سے پہلے کے نوشتے ناپید ہو چکے تھے۔ ابن خلدون اور امام طبری جیسے فاضل محققین بھی اس کتاب سے حوالے دیتے نظر آتے ہیں۔ ساتویں صدی ہجری تک یہ تالیف محفوظ رہنے کے باوجود اصل حالت میں ہم تک نہ پہنچ سکی۔ ”تفسیر مظہری“ میں قاضی صاحب نے صحاح ستہ کے بعد جس شخصیت سے سب سے زیادہ استفادہ کیا ہے وہ ابن اسحاق ہیں۔ ابن اسحاق کی روایات کو سند کے ساتھ بھی بیان کرتے ہیں۔ سورۂ کوثر کے شان نزول کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وذکر محمد بن اسحاق عن یزید بن رومان قال کان العاص بن وائل اذا ذکر رسول الله ﷺ قال دعوه فانه رجل ابتر لا عقب له فاذا هلك انقطع ذکرہ فانزل الله هذه السورة۔(۱۷)

''محمد ابن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے یزید بن رومان سے نقل کیا ہے کہ جب حضور سید عالم ﷺ کا ذکر ہوتا تو عاص بن وائل کہتا اسے چھوڑو اس کی تو کوئی نسل ہی نہیں جب یہ خود فوت ہو جائے گا تو اس کا ذکر ختم ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو نازل کیا۔''

اسی طرح کعب بن اشرف کے قتل کی روایت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابن اسحاق اور امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس سے نقل کیا ہے۔''(۱۸)

بعض جگہ ابن اسحاق اور واقدی کو جمع کرتے ہیں اور بعض جگہ ابن ہشام اور ابن اسحاق کا اکٹھا حوالہ دیتے ہیں۔ قاضی صاحب کا روایت سیرت میں سب سے بڑا ماخذ ابن اسحاق ہے۔

آپ نے جن کتب احادیث سے استفادہ کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ المصنف (امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی) ۲۔ المسند (امام عبد اللہ بن زبیر حمیدی)
۳۔ سنن دارمی (امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی) ۴۔ صحیح بخاری (محمد بن اسماعیل بخاری)
۵۔ صحیح مسلم (مسلم بن حجاج قشیری) ۶۔ سنن ابن ماجہ (محمد بن یزید ابن ماجہ)
۷۔ سنن ابی داؤد (سلیمان بن اشعث سجستانی) ۸۔ سنن ترمذی (محمد بن عیسیٰ ترمذی)
۹۔ سنن دار قطنی (امام علی بن عمر دار قطنی) ۱۰۔ سنن نسائی (احمد بن شعیب النسائی)
۱۱۔ سنن کبریٰ (احمد بن شعیب النسائی) ۱۲۔ مسند ابو یعلیٰ موصلی (احمد بن علی المثنی التمیمی)
۱۳۔ صحیح ابن خزیمہ (محمد بن اسحاق بن خزیمہ) ۱۴۔ معجم صغیر (ابو قاسم سلیمان بن احمد الطبرانی)
۱۵۔ معجم اوسط (ابو قاسم سلیمان بن احمد الطبرانی) ۱۶۔ معجم کبیر (ابو قاسم سلیمان بن احمد الطبرانی)
۱۷۔ مسند الشامین (ابو قاسم سلیمان بن احمد الطبرانی) ۱۸۔ المستدرک (محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری)
۱۹۔ حلیۃ الاولیاء (ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی) ۲۰۔ دلائل النبوۃ (ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی)
۲۱۔ سنن کبریٰ (ابو بکر احمد بن حسین بیہقی) ۲۲۔ مجمع الزوائد (حافظ نور الدین علی بن ابو بکر الہیثمی)

کتب سیر و تاریخ:

۱۔ کتاب السیر والمغازی (محمد بن اسحاق) ۲۔ السیرۃ النبویہ (عبد الملک بن ہشام)

۳۔ کتاب المغازی (محمد بن عمر واقدی) ۴۔ الطبقات الکبری (محمد بن سعد)

۵۔ فتوح البلدان (امام بلاذری) ۶۔ الروض الانف (عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی)

۷۔ الوفا باحوال المصطفیٰ (ابن جوزی) ۸۔ خلاصۃ السیر (علامہ محب الدین طبری)

۹-المواہب اللدنیہ (امام احمد قسطلانی) ۱۰۔ سبل الھدی والرشاد (محمد بن یوسف صالحی)

۱۱-شرح المواھب اللدنیہ (زرقانی) ۱۲۔ تاریخ دمشق (ابن عساکر)

۱۳۔ حلیہ ابی نعیم (ابو نعیم اصفہانی) ۱۴۔ تاریخ اصفہان (ابو نعیم)

۱۵۔ تاریخ نیساپوری (الحاکم نیساپوری) ۱۶۔ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی)

اس کے علاوہ قاضی صاحب نے مباحث سیرت کو بیان کرتے ہوئے کتب تفاسیر، کتب شروحات حدیث سے بھی استفادہ کیا ہے۔

۶۔ تفسیر مظہری میں موضوعات سیرت کی جامعیت:

قرآن مجید سیرت نبوی کا بنیادی مصدر ہے اس لیے آیات سیرت کی تشریح، سیرت کے تکمیلی مصدر کا درجہ رکھتی ہے۔ قرآن مجید کی وہ آیات جن کا تعلق بلا واسطہ حضور سید عالم ﷺ کی سیرت طیبہ سے ہے، وہ تفسیری ادب میں سیرت کا ماخذ ہیں۔ سیرت کے ماخذ و مصادر میں کتب تفسیر کو سیرت کا اہم ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ تفسیر ابن عباس سے عصر حاضر تک کی تفاسیر میں آیات سیرت کی تشریح میں سیرت طیبہ کے مباحث کو ذکر کیا جاتا رہا ہے۔ برصغیر کی تفاسیر میں تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے جس تفصیلی و تحقیقی انداز میں مقامات سیرت کو ذکر کیا ہے، برصغیر کے تفسیری ادب میں اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ تفسیر مظہری میں قبل از ولادتِ نبوی کے واقعات سے لے کر مدنی دور کے آخری واقعات تک کو آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے۔

(الف)۔ اعلان نبوت سے قبل مباحث سیرت:

وہ قرآنی آیات جن میں سید عالم ﷺ کی بعثت سے قبل کے واقعات کا ذکر ہے ان کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلانِ نبوت سے قبل ظہور پذیر ہونے والے واقعات کو ذکر کیا ہے۔ ان واقعات سیرت میں تورات میں ذکر مصطفی ﷺ، نبی کریم کا شجرۂ نسب تُبع حمیری کا واقعہ (شاہ یمن)، دعائے ابراہیمی، ایمان والدین مصطفی، اعلان نبوت کے وقت عمر مبارک اور بعثت نبوی سے قبل ظہور پذیر

ہونے والے معجزات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ الشعراء کی آیت (وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ)(۱۹) کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ والدین مصطفی کے ایمان کے متعلق لکھتے ہیں:

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سجدہ کرنے والوں کی پاک اصلاب سے سجدہ کرنے والیوں کے پاک رحموں کی طرف منتقل کیا ہے اور پاک سجدہ کرنے والیوں کی رحموں سے پاک صلبوں کی طرف منتقل کیا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں تمام مرد اور عورتیں توحید کے پرستار تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء میں سے تمام کے تمام مومن تھے جیسا کہ امام سیوطی نے کہا ہے اور حافظ شمس الدین ناصر الدین دمشقی نے کہا ہے:

وَيُنْقِلُ أَحْدُ نُورًا عَظِيماً — تَلَأْلَأَ فِي وُجُوهِ السَّاجِدِينَ

”اور ہر ایک عظمت وشان والے نور کو منتقل کرتا رہا — جو سجدہ کرنے والوں کی پیشانیوں میں چمکتا ہے۔“

تَقَلَّبَ فِيهِمْ قَرْنًا قَرْنًا فَقَرْنًا — إِلَى أَنْ جَاءَ خَيْرُ الْمُرْسَلِينَ

”پس وہ نوران میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا یہاں تک — کہ تمام رسولوں سے عظمت وشان والا رسول تشریف فرما ہوا۔“

اس تاویل کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتَّى بُعِثْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ)(۲۰)

”مجھے بنی آدم کے زمانوں میں سے قرناً بعد قرن بہتر زمانے سے مبعوث کیا گیا حتیٰ کہ مجھے اس زمانے سے مبعوث کیا گیا جس میں میں ہوں۔“

مسلم شریف میں واثلہ بن اسقع سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(إِنَّ اللهَ اصْطَفَى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ وَاصْطَفَى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ)(۲۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کو چنا، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنی کنانہ کو چنا، بنی کنانہ میں سے قریش کو منتخب فرمایا، قریش میں سے بنی ہاشم کا انتخاب کیا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(ما افترق الناس فرقتين إلا جعلني الله في خيرهما فأخرجت من بين أبوين فلم يصبني شيء من عصر الجاهلية وخرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم حتى انتهيت إلى أبي وأمي فأنا خيركم نفساً وخيركم أبا)۔(۲۲)

”لوگ دو فرقوں میں تقسیم نہیں ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے افضل و بہتر میں سے بنایا۔ پس مجھے اپنے والدین کے ذریعے پیدا کیا گیا اور زمانہ جاہلیت کی کسی شے نے مجھے مس نہیں کیا۔ میں آدم علیہ السلام کے زمانہ سے نکاح کے ذریعے پیدا ہوا نہ کہ زنا ہے۔ یہاں تک کہ میرے باپ اور ماں پر میری انتہا ہو گئی۔ میں اپنی ذات کے اعتبار سے بھی تم سے بہتر ہوں اور اپنے آباء کے اعتبار سے بھی تم سے افضل ہوں۔“

امام سیوطی نے آپ ﷺ کے آباء کے ایمان کے اثبات میں تفصیلاً ایک کتاب تحریر کی ہے اور اس میں اس کے بارے مفصل بحث اور اس پر ہونے والے اعتراضات و جوابات کا ذکر بھی کیا ہے۔ میں نے اس سے ایک رسالہ تلخیص کیا ہے لہٰذا اس کی طرف رجوع کیا جائے“۔(۲۳)

(ب)۔ مکی دور کے اہم مباحث سیرت:

تفسیر مظہری میں مکی دور کے مباحث سیرت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مکی دور کے تیرہ سالوں میں سیرت سے متعلق جو قرآنی آیات نازل ہوئیں ان کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت کے متعدد واقعات ذکر کیے ہیں۔ ان مباحث سیرت میں وحی اور فترت وحی، دعوت دین اور اس میں مشکلات، گستاخان رسول کا انجام، بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ، واقعہ شق صدر، واقعہ ہجرت حبشہ، جنات کا قبول اسلام، ہجرت نبوی کے واقعات اور قصہ الغرانیق العلیٰ قابل ذکر ہیں۔ مثال کے طور پر فترت وحی کے واقعات کو سورۃ ”والضحیٰ“ کی ابتدائی آیات کی روشنی میں لکھتے ہیں:

شیخین نے صحیحین میں اور دوسرے محدثین نے جندب بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی طبیعت ناساز ہوئی آپ نے ایک دو راتیں قیام نہ کیا۔ ایک عورت نے آپ سے کہا اے

محمد میرا خیال ہے تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے (نعوذ باالله من ذلك) تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا:

وَالضُّحٰیO وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰیO مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰیO(۲۴)

(قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھاجائے نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا)۔ بغوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا جندب نے جس عورت کا ذکر کیا وہ ام جمیل تھی جو ابولہب کی بیوی تھی۔ حاکم نے زید بن ارقم رحمہا اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ پر چند دن وحی نازل نہ ہوئی تو ابولہب کی بیوی نے کہا میرا خیال ہے کہ تیرے صاحب نے تجھے چھوڑ دیا ہے اور تجھ سے ناراض ہوگیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔(۲۵)

فترت وحی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا محدثین کے علاوہ ابن ابی شیبہ، طبرانی اور ابن جریر سے روایات نقل کی ہیں۔ نیز حافظ ابن حجر عسقلانی کی توجیہات نقل کی ہیں۔

مکی دور کے دیگر واقعات سیرت میں قاضی صاحب نے سورۂ مائدہ آیت ۸۲ تا ۸۴ کی تفسیر میں ہجرت حبشہ کے واقعات کو جامع انداز میں بیان کیا ہے، یہاں تک کہ ہجرت حبشہ میں شامل افراد کے اسماء بھی ذکر کیے ہیں۔ اس حوالے سے قاضی صاحب رقم طراز ہیں:

"ہجرت کرنے والے صحابہ یہ تھے حضرت عثمان بن عفان، آپ کی زوجہ حضرت رقیہ جو آقائے دوعالم ﷺ کی صاحبزادی تھیں، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابو حنیفہ بن عقبہ، آپکی زوجہ سھلہ بنت سہیل بن عمرو، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، آپ کی زوجہ ام سلمہ بنت امیہ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عمار بن ربیعہ، آپ کی زوجہ لیلیٰ بنت ابی حشمہ، حضرت حاطب بن عمر اور حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ سب سمندر کی طرف نکل گئے، ایک کشتی کرائے پر لی اور حبشہ جانے کے لئے نصف دینار کرائے کا تعین ہوا۔ یہ بعثت نبوی کا پانچواں سال اور رجب کا مہینہ تھا۔ یہ مسلمانوں کی پہلی ہجرت تھی۔ پھر حضرت جعفر بن ابی طالب حبشہ گئے پھر مسلمان لگاتار وہاں جاتے رہے۔ حبشہ جانے والے مسلمان مردوں کی کل تعداد بیاسی 82 افراد پر مشتمل تھی۔(۲۶)

(ج)۔ مدنی دور کے مباحث سیرت:

مدنی دور حضور سید عالم ﷺ کی زندگی کا ایک اہم دور ہے اس دور میں جو قرآن کریم کی آیات سیرت نازل ہوئیں ان میں موجود واقعات سیرت کو قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے شرح وبسط سے ذکر کیا ہے۔ تفسیر مظہری میں بیان کردہ مدنی دور کے اہم مباحث سیرت درج ذیل ہیں:

سیّدہ زینب بنت جحش اور سیدہ ام حبیبہ کے ساتھ نکاح کی تفصیل، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تفصیلی تذکرہ اور واقعہ افک، جادو اور زہر خورانی کے واقعات، غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ حمراء الاسد، بئر معونہ کے شہداء کا ذکر، بنی نضیر کی جلاوطنی، غزوہ بنو مصطلق، غزوہ خندق، حدیبیہ، بیعت رضوان، فدک کا قصہ، غزوہ خیبر، غزوہ حنین اور غزوہ تبوک وغیرہ نیز اس مدنی دور میں منافقین اور ان کا کردار بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ پر جادو کی حقیقت کو سورۃ الفلق کی آیات کی تفسیر میں مفصل اور مدلل ذکر کیا ہے۔ چنانچہ بیہقی کی دلائل النبوۃ میں عبد اللہ بن عباس سے مروی روایت کو یوں ذکر کرتے ہیں:

”بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں کلبی رحمتہ اللہ علیہ کے واسطے سے ابو صالح سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سخت بیمار ہو گئے، دو فرشتے آئے، ایک آپ کے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی جانب بیٹھ گیا۔ جو پاؤں کی جانب بیٹھا ہوا تھا اس نے سر کی جانب بیٹھنے والے سے کہا تمہاری کیا رائے؟ اس نے جواب دیا بیمار ہیں تو پاؤں کی جانب بیٹھنے والے نے سوال کیا انہیں کیا بیماری ہے؟ اس نے جواب دیا انہیں جادو ہے۔ اس نے پوچھا کس نے انہیں جادو کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا لبید بن اعصم یہودی نے جادو کیا ہے۔ اس نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ تو سرہانے بیٹھنے والے فرشتے نے جواب دیا جادو ایک تسمہ میں کیا گیا ہے جو فلاں کنویں میں ایک پتھر کے نیچے ہے تم اس کنویں کے پاس جاؤ، پانی نکالو، پتھر اٹھاؤ، پھر اس کھجور کے گابھے کو نکالو اور اسے جلاڈالو۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے عمار بن یاسر کو چند صحابہ کے ساتھ بھیجا۔ وہ اس کنویں کے پاس آئے تو اس کا پانی اس طرح تھا جس طرح مہندی کا پانی ہوتا ہے پھر انہوں نے چٹان اٹھائی اس گابھے کو نکالا اور اسے جلا دیا۔ اس میں ایک ایک ریشہ تھا جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئیں تھیں۔ اسی حوالے سے

حضور ﷺ پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ جب آپ ﷺ ایک آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی۔ دوسورتوں سے مراد "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہے"۔(۲۷)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے منہج سیرت کی انفرادیت:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے منہج سیرت کی انفرادی خصوصیت یہ ہے کہ قاضی صاحب نے ہر فن کی روایات اس فن کے ماہرین سے لی ہیں۔ چنانچہ سیرت کی وہ روایات جو کتب احادیث میں موجود ہیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ان کے لیے صحیحین کو ترجیح دی ہے۔ تاریخی روایات میں ابن اسحاق کو ترجیح دی ہے۔ مغازی کی روایات میں مصنف نے واقدی اور ابن سعد سے استفادہ کیا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے روایات سیرت کو ذکر کرتے وقت روایات کی تحقیق اور تخریج کا اہتمام کیا ہے اور کسی بھی جگہ پر کوئی بھی روایت بغیر ماخذ کے ذکر نہیں کی۔ تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے منہج سیرت نگاری کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ قاضی صاحب نے قبل از ولادت نبوی تا وصال نبوی کے واقعات سیرت کو آیات قرآنیہ کی تشریح و تفسیر کے ضمن میں نقل کیا ہے۔ اور روایات سیرت کو ذکر کرتے ہوئے آپ نے اصول روایت و درایت کا لحاظ رکھا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مفسر قرآن اور شارح حدیث کے طور پر جو کچھ آیات سیرت کی وضاحت اور تشریح میں لکھا ہے سیرت کے میدان میں علمی و تحقیقی ذخیرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے سیرت سے متعلق آیات قرآنیہ کی تفسیر و تشریح میں اختیار کردہ منہج کے تحقیقی تجزیہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قاضی صاحب ایک بلند پایہ مفسر اور جلیل القدر محدث ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم سیرت نگار بھی تھے۔

حوالہ جات و تعلیقات

۱۔ بہڑائچی، محمد فاروق، تفسیر مظہری، مشمولہ: معارف، ج۶، (مرتب: سید سلمان ندوی) ماہنامہ: اعظم گڑھ، دار المصنفین، ص: ۴۴۷، ۴۴۸

۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ڈاکٹر سید عبداللہ وغیرہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، ج۶، ص: ۱۰۳۲

۳۔ دہلوی؛ غلام علی، مقامات مظہری [مترجم پروفیسر محمد اقبال مجددی] لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۳ء ص: ۷۶

۴۔ لاہوری، مفتی غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء، (مترجم: ظہیر الدین بھٹی)، لاہور: مکتبہ نبویہ، 1951ء ص: ۱۳۰

۵۔ قدیر احمد م ''قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور تفسیر مظہری''، مشمولہ: التفسیر (ششماہی)، ج۸، شمارہ: ۲۳، (مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر محمد شکیل اوج)، جامعہ کراچی، کراچی، ۲۰۱۴ء

۶۔ پانی پتی، ثناء اللہ، قاضی، التفسیر المظہری، کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ، ج۷، ص: ۹۳

۷۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب بدء الوحی، باب و ثیابك فطھر، حدیث ۴۹۲۵، مسلم، ابو الحسین مسلم بن حجاج بن مسلم، صحیح مسلم، باب بدء الوحی، حدیث: ۴۲۵۔

۸۔ پانی پتی، ثناء اللہ، قاضی، التفسیر المظہری، کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ، ج۹، ص: ۲۷۳

۹۔ ایضاً، ج۱۰، ص: ۴۲۹

۱۰۔ ایضاً، ج۴، ص: ۱۵۲

۱۱۔ ایضاً، ج۴، ص: ۹۶

۱۲۔ ایضاً، ج۲، ص: ۱۱۰

۱۳۔ الاسراء: ۷۶

۱۴۔ پانی پتی، ثناء اللہ، قاضی التفسیر المظہری، کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، ج۵، ص: ۳۱۰

۱۵۔ ایضاً، ج۲، ص: ۱۴۹

۱۶۔ ایضا، ج۹، ص: ۳۰۰

۱۷۔ ایضاً، ج ۱۰، ص: ۳۳۶

۱۸۔ ایضا، ج ۱۰، ص: ۳۳۵

۱۹۔ الشعراء، ۲۱۹:۲۶

۲۰۔ بیہقی، دلائل النبوۃ، باب ذکر شرف اصل رسول اللہ ونسبہ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ج ا، ص: ۱۷۵

۲۱۔ مسلم، ابو الحسین مسلم بن حجاج بن مسلم، صحیح مسلم، باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۶۰۷۷

۲۲۔ بیہقی، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی، دلائل النبوۃ، باب ذکر شرف اصل رسول اللہ ونسبہ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ج ا، ص: ۱۷۴

۲۳۔ پانی پتی، ثناء اللہ، قاضی، التفسیر المظہری، کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، ج ۷، ص: ۹۳

۲۴۔ الضحیٰ، ۳:۹۳

۲۵۔ التفسیر المظہری، کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، ج ۱۰، ص: ۲۸۵

ظاہری و باطنی صفائی اور مسلم معاشرے کا تعامل سیرت طیبہ کی روشنی میں

ڈاکٹر شاکر حسین خان
(سنیئر وزٹنگ فیکلٹی، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی)

Abstract:

In Islam, outward and inward cleanliness is of special importance. Proof of which is also proved by the interaction of Muslim society. The purposes of the revelation of the Prophet Muhammad (peace be upon him) which have been presented in the Holy Quran include purification, making good deeds lawful, forbidding evil deeds, enjoining goodness and forbidding evil.

Among the Sufis, there are two meanings of "Zkkihim(زَكِّيهِمْ)". There is a purification of the heart. Which comes from heartfelt remembrance. And the second meaning is moral education which comes from piety. That is, to avoid minor sins along with major sins and to eliminate desires, to keep them suppressed. This is the teaching that the Qur'an commands us. Among historians and jurists, the term zakat seems to revolve around charity.

The purpose is to avoid bad things and to nurture and take care of the society according to the Qur'anic principles, to distribute the provisions in a just manner. Included in the meaning of "zaka(زَكَىٰ)". Jealousy, selfishness, greed, covetousness, rebellion, injustice, cruelty, heartlessness, hoarding and adulteration are the evil deeds which Allah's Messenger Muhammad (ﷺ)forbade mankind through the Qur'an. There is a need to cleanse the evil deeds that have become common in our society.

The cause of the destruction of the world is the distance from the moral teachings of human beings. Because of this, new diseases are being born in the world. On the one hand, the scope of medical research is lacking due to limited resources. On the other hand, there is also carelessness, which is having a detrimental effect on human health and has increased the death rate.
In such circumstances, Islamic teachings have the status of water of life (Abb e Hayat/آب حیات). By following this, a sick society can be transformed into a healthy society. One of these precautions is treatment, outward and inward cleansing.
I wrote this research paper "External and internal cleansing and the way of Muslim society in the light of Sira-e-Taiba" and have tried to prove that one of the means of saving the world from epidemics is the outward and inward cleansing of man.

Keywords: Outward, Inward, Cleanliness, The Holy Quran, Bad things, take care, society,

تمہید:

اسلام دین فطرت ہے یہ دین زندگی گزارنے کے سنہرے اصول مہیا کرتا ہے۔ان میں سے ایک طہارت بھی ہے۔اسلام میں طہارت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید اور حامل و عاملِ قرآن (اللہ کے رسول محمد ﷺ) نے مؤمنوں کو ہر طرح کی پاکی، پاکیزگی، طہارت اور صفائی کا خاص خیال رکھنے کی تلقین فرمائی اور تعلیم دی ہے۔ اللہ کے رسول محمد ﷺ نے طہارت کو نصف ایمان قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ سے منسوب قول ہے:الطھور شطر الایمان.یعنی "صفائی (پاکیزگی) نصف ایمان ہے"[1]

اہل ایمان کے تعمل سے بھی یہ ثابت ہے اور یہ تواتر سے چلا آرہا ہے کہ جنابت یا گرمی کی حالت، بیماری کے بعد، سفر کرنے سے پہلے یا سفر سے آنے کے بعد یا مجلس میں شریک ہونے کے وقت غسل، کیا جاتا ہے۔ قیامِ صلوٰۃ سے قبل وضو کرنے کا تصور اور اس پر عمل، کھانا کھانے سے قبل اور بعد ہاتھ

دھونے، کلی کرنے اور مسواک کرنے کا طریقہ رائج ہے، جوتا اور بستر وغیرہ جھاڑ کر استعمال کرنے کے طریقے پر عمل کیا جاتا ہے۔ مختلف اوقات میں بعض چیزوں سے پرہیز اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا تصور، بیماری کی صورت میں علاج وغیرہ کی تعلیم، کتبِ سیرت وغزوات وسرایہ، اور کتبِ تاریخ وروایات میں درج ہیں۔ مذکورہ امور کے متعلق دی گئی تعلیمات پر عمل کر کے ہم کرونا، سمیت بہت سی بیماریوں اور ناگہانی آفتوں، گندگی سے پھیلنے والی وباؤں اور ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

ہمیں قرآنی اصطلاحات یزکیٰ، تقویٰ، طیّبات اور غَسَلَ کی اصطلاح والفاظ کے لغوی واصطلاحی معنٰی و مفہوم کو سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔ جن کا مفہوم سمجھنے میں بڑی عجلت سے کام لیا گیا ہے۔ ہم ان کی بدولت ظاہری وباطنی، انفرادی واجتماعی صفائی، پر سنجیدگی کے ساتھ خصوصی توجہ دے سکتے ہیں۔ منصب رسالت کے متعلق، پیش کی گئی آیات میں، تزکیہ کرنا، ایتائے زکوٰۃ، طیبات کو حلال کرنا، خبائث کو حرام کرنا، نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا شامل ہیں۔

اہل تصوف کے ہاں "زَکّیھِمْ" کے دو مفہوم پائے جاتے ہیں، ایک قلبی طہارت ہے جو ذکرِ قلبی سے حاصل ہوتی ہے اور دوسرا مفہوم اخلاقی تعلیم ہے جس کا دار ومدار ریاضت پر ہے۔ یعنی گناہ کبیرہ کے ساتھ گناہ صغیرہ سے بچنا اور نفسانی خواہشات کا قلع قمع کرنا، انہیں کچل کر رکھ دینا ہے۔ جس کو بعض حضرات رہبانیت سے تعبیر کرتے ہیں لیکن یہ وہ طریقہ ہے جو ہمیں قرآنی فکر وتعلیم کے نزدیک دکھائی دیتا ہے۔ جب کہ اہل تاریخ، اہل فقہ اور اہل معاشیات، کے ہاں، زکوٰۃ، کی اصطلاح مالِ صدقات کے گرد گردش کرتی نظر آتی ہے۔ الغرض اخلاقِ رزیلہ سے بچنا اور معاشرے کی قرآن وسیرت طیبہ میں پیش کیے گئے اصولوں کے مطابق پرورش ونگہداشت کرنا، رزق کی منصفانہ طریق پر تقسیم، "زکیٰ" کے مفہوم میں شامل ہے، حسد، خود غرضی، لالچ، حرص، بغاوت، ناانصافی، ظلم، سنگ دلی، ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ (شرک) وغیرہ وہ اخلاقِ رزیلہ ہیں جس کا اللہ کے رسول محمد ﷺ نے بزریعہ وحی انسانوں کا تزکیہ فرمایا۔ اس وقت دنیا ایک اور وبائی مرض کرونا، کی لپیٹ میں ہے۔ اس وبائی مرض سے بچاؤ کی تدبیر اور اس سے چھٹکارے کا واحد حل اور علاج، سیرت طیبہ میں موجود ہے جس کے لیے ہمیں سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

صفائی ستھرائی:

جب سے بین الاقوامی وبا "کرونا" نے سر اٹھا کر آنکھیں دکھانا شروع کی ہیں تو لوگوں کو صفائی ستھرائی کا خیال گزرا، جو لوگ استنجا کرتے وقت پانی کا استعمال نہیں کرتے تھے یا کھانا کھانے سے پہلے یا بعد ہاتھ نہیں دھوتے تھے، وہ بار بار صابن سے ہاتھ دھونے پر مجبور ہوگئے۔ جب کہ سیرت طیّبہ کا ایک حصہ طہارت و نظافت کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ دینِ اسلام میں انسانی جسم کی صفائی و ستھرائی، ان بنیادی امور میں سے ایک امر ہے جس پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ اسی لیے اسلام کو دین فطرت اور اللہ کا پسندیدہ دین قرار دیا گیا ہے۔ تقویٰ صرف طہارتِ قلبی یعنی باطنی طہارت کا نام ہی نہیں بلکہ اس میں جسم کی پاکیزگی اور طہارت بھی شامل ہیں۔ کھانے پینے، رہنے سہنے میں ناپاک و گندی چیزوں سے پرہیز کرنا بھی تزکیہ ہے جسے طہارتِ ظاہری کا نام دیا گیا ہے۔ اس لیے ہر شخص کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ شارع ہم سے درجِ ذیل ظاہری و باطنی صفائی کا مطالبہ کرتا ہے:

(1) قلب، نگاہ اور ذہن کا پاک و صاف ہونا (2) پاک و صاف عورتوں سے نکاح کرنا (3) جسم کا پاک و صاف ہونا (4) کپڑوں کا پاک و صاف ہونا (5) قیام کی جگہ و مسکن کا پاک و صاف ہونا (6) بستر کا پاک و صاف ہونا (7) برتن و استعمال کی اشیاء کا پاک و صاف ہونا (8) کھانے پینے کی چیزوں کا پاک و صاف ہونا (9) پانی، کنواں، نہر، تالاب وغیرہ کا پاک و صاف ہونا (10) ارد گرد کے ماحول کا گندگی اور بدبو پیدا کرنے والی چیزوں سے پاک و صاف ہونا۔

(1) قلب، نگاہ اور ذہن کا پاک وصاف ہونا:

اللہ رب العٰلمین کا فرمان ہے: يَأْمُرُهم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهاهمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهمْ إِصْرَهمْ وَالأَغْلاَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهمْ ۔ الخ۔ 2۔ "وہ (محمد ﷺ) انہیں نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، اور طیّبات کو حلال اور خبائث کو حرام قرار دیتے ہیں اور ان پر جو بوجھ کے طوق تھے اتارتے ہیں۔"

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ رقم طراز ہیں " جن پاک چیزوں کو اُنھوں نے حرام کرر کھا ہے، وہ اِنہیں حلال قرار دیتا ہے اور جن ناپاک چیزوں کو یہ لوگ حلال کیے بیٹھے ہیں انہیں وہ حرام قرار دیتا ہے۔ یعنی ان کے فقیہوں نے اپنی قانونی شگافیوں سے ان کے روحانی مقتداؤں نے اپنے تورّع کے مبالغوں سے،

اور ان کے جاہل عوام نے اپنے توہمات اور خود ساختہ حدود و ضوابط سے ان کی زندگی کو جن بوجھوں تلے دبا رکھا تھا اور جن جکڑ بندیوں میں کس رکھا ہے یہ پیغمبر سارے بوجھ اتار دیتا ہے۔ اور وہ تمام بندشیں توڑ کر زندگی کو آزاد کر دیتا ہے۔"3؎

اس سلسلے کی اگلی آیت ملاحظہ کیجیے جس میں بیمار دل کے متعلق، اللہ رب العلمین کا فرمان ہے:

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ۔4؎"تاکہ شیطان کی آمیزش کو ان لوگوں کے لیے آزمائش بنادے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں، اور بے شک ظالم بڑی ضد میں پڑے ہوئے ہیں۔"

اور ارشاد ہوا:فَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔5؎"بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہو، پس ان پر افسوس ہے جن کے دل اللہ کی یاد ہانی سے سخت ہو رہے ہیں۔ اور یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔"

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ آیت مذکورہ کے تحت لکھتے ہیں کہ "عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک آدمی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یَارَسُولَ اللّٰہِ! اَیُّالمُؤمِنِ اَکیَسُ۔"کہ اہل ایمان میں سب سے زیادہ عقلمند کون ہے۔؟قَالَ اَکثَرُھُم لِلمَوتِ ذِکرًاوَّاَحسَنُھُملَہٗ اِستِدَادًا:فرمایا: موت کو کثرت سے یاد کرے اور اس کے لیے اچھی طرح تیاری کرے۔"اس کے بعد حضور نے فرمایا: جب دل میں نور داخل ہو جاتا ہے تو دل کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! اس کی علامت کیا ہے؟قَالَ الِانَابَۃُ اِلٰی دَارِالخُلُودِ وَالتَّجَافِی عَن دَارِالغُرُورِ وَالِا ستِدَادُ لِلمَوتِ قَبلَ نُزُولِ المَوتِ۔ فرمایا: اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ شخص ہر وقت دارِ آخرت کی طرف متوجہ رہتا ہے وہ اس دھوکہ والی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری شروع کر دیتا ہے۔"6؎

مؤمن تو اپنے ربِ حقیقی سے یہی دعا کرتے ہیں: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔۔7؎"ہمارے رب! جب تو نے ہمیں سیدھے راستے پر لگا دیا ہے تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دینا۔ ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر کہ تو ہی فیاض ہے۔"

اور ارشاد ہوا: ٱلَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَجِلَتۡ قُلُوبُهُمۡ وَٱلصَّٰبِرِينَ عَلَىٰ مَآ أَصَابَهُمۡ وَٱلۡمُقِيمِي ٱلصَّلَوٰةِ وَمِمَّا رَزَقۡنَٰهُمۡ يُنفِقُونَ۔۔8؎ "یہی ہیں جو اللہ کا ذکر سُنتے ہیں تو ان کے دل تھرا جاتے ہیں، جب مصیبت اُن پر آتی ہے اُس کا مقابلہ کرتے ہیں، صلوۃ قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ رزق ہم نے اُنہیں دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلَحَتْ، صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ، فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ. 9؎ "سنو! جسم میں ایک لو تھڑا ہے، جب وہ صحیح ہو تو پورا جسم صحیح رہتا ہے۔ جب وہ خراب ہو تو پورا جسم خراب رہتا ہے۔ خبر دار! وہ (لو تھڑا) دل ہے۔"

ایک حدیث میں ہے کہ: قَالَ حُذَيْفَةُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ " تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوبِ كَالْحَصِيرِ عُودًا عُودًا فَأَىُّ قَلْبٍ أُشْرِبَهَا نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ وَأَىُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتَّى تَصِيرَ عَلَى قَلْبَيْنِ عَلَى أَبْيَضَ مِثْلِ الصَّفَا فَلاَ تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالأَرْضُ وَالآخَرُ أَسْوَدُ مُرْبَادًّا كَالْكُوزِ مُجَخِّيًا لاَ يَعْرِفُ مَعْرُوفًا وَلاَ يُنْكِرُ مُنْكَرًا إِلاَّ مَا أُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ ۔10؎ "حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے" فتنے دلوں پر ایسے آئیں گے کہ ایک کے بعد ایک جیسے چٹائی کی پٹیاں ایک کے بعد ایک ہوتی ہیں پھر جس دل میں وہ فتنہ رچ جائے گا تو اس میں ایک کالا داغ پیدا ہو گا اور جو دل اس کو نہ مانے گا اس میں ایک سفید دھبہ ہو گا۔ یہاں تک کہ اسی طرح کالے اور سفید دھبے ہوتے ہوتے دو قسم کے دل ہو جائیں گے ایک تو خالص سفید دل چکنے پتھر کی طرح جس کو کوئی فتنہ نقصان نہ پہنچائے گا جب تک کہ آسمان و زمین قائم رہیں۔ دوسرے کالا سفیدی مائل یا اوندھے کوزے کی طرح جو نہ کسی اچھی بات کو اچھی سمجھے گا، نہ بری بات کو بری۔ سوائے وہ بات جو اس کے دل میں رچی بسی ہو گی۔"

نگاہوں کی حفاظت کے متعلق اللہ رب العلمین کا فرمان ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِہِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَہُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَہُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔11؎ "ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کو بھی محفوظ رکھیں، یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے، بیشک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔"

اسی طرح اللہ رب العلمین نے خواتین کو بھی غض بصر کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ۔ 12ے "اور ایمان والیوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔"

اللہ رب العلمین کا فرمان ہے: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْءٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔۔ 13ے "اے اولادِ آدم! تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمہارے آباء واجداد کو جنت سے نکال دیا، ان سے ان کا لباس اتروادیا تاکہ انہیں ان کی شرم گاہیں دکھادے۔ بیشک وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ بیشک ہم نے شیطانوں کو ایسے لوگوں کا دوست بنادیا ہے جو ماننے والے نہیں رکھتے۔"

جب نگاہ بار بار اٹھتی ہے تو اِس سے انسان پر ظاہری اور باطنی طور پر برے اثرات وارد ہوتے ہیں۔ دل میں مخالف جنس کو دیکھنے اور اس کو چھونے کے جزبات بیدار ہوتے ہیں۔ آیت مذکورہ سے ان لوگوں کو بھی سبق حاصل کرنا چاہیے جو غیر اخلاقی فلمیں دیکھتے اور ان کے فروغ کا زریعہ بنتے ہیں جو کہ ایک شیطانی شغل ہے۔ عصر دوراں میں ایسی خبریں بھی گردش کرتی ہیں کہ بعض بیوٹی پالروں، مساج سینٹروں، حماموں، فیملی ریسٹوریںٹ اور ہوٹلوں میں خفیہ کیمروں کے زریعے لوگوں کی برہنہ اور نیم برہبہ فلمیں بناکر دیکھتے اور ان کا کاروبار کرتے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ برے خیالات بھی انسان کی صحت پر برے اثرات ڈالتے ہیں جس کے سبب اضمحلال، شکستگی اور ضعف پیدا ہوتا ہے اور یہ کمزوری انسان کو سُست گام کردیتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ بد نگاہی ہی برائی کے کوٹھے کا زینہ ہے۔ اس لیے نگاہوں کی حفاظت کے حکم کو "حفاظتِ فرج" کے حکم پر مقدم رکھا ہے۔ شریعت نے بدنگاہی سے منع کیا ہے۔ نگاہ نیچی رکھنے کا حکم حکمت پر مبنی ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے جسم کے مخصوص حصوں کی حفاظت ہوتی ہے نیز یہ تزکیہء نفس کا سبب بھی ہے۔ "غضِ بصر" کا حکم ہر مؤمن مرد اور عورت کو دیا گیا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ: عَن اَبِی زُرعَۃَ عَن جَرِیرٍ قَالَ سا لت رَسُولَ اللهِ عَن نَظرَۃِالفجاَ ۃِ فَقَالَ اِصرف بَصَرَکَ۔14 "ابوزرعہ نے جریر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی نظر پھیر لو۔"

دوسری روایت میں ہے کہ: عَن اَبِی بُرَیدَۃَ عَن اَبِیہِ قَالَ رَسُولَ اللهِ لِعَلَیِّ یَاعَلِیُ لَاتُتبِعُ النَظَّرَۃَ النَّظرَۃَفَاِنَّ لَکَ الاُولَی وَلَیسَت لَکَ الآخِرۃُ ۔15 "ابن بریدہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی سے فرمایا: اے علی ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو، کیوں کہ پہلی نظر تمہارے لیے جائز ہے دوسری نظر تمہارے لیے جائز نہیں۔"

ایک حدیث میں بدنظری کو آنکھوں کا زنا قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ نقل کیا گیا کہ: فَزِنَا الْعَیْنِ النَّظَرُ۔16 "آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے۔" مخبر صادق ﷺ کے یہ زرین الفاظ حقیقی طور پر گناہ کے حتمی نتائج کے بیان میں شان بلاغت کے حامل ہیں۔ نگاہ کا غلط استعمال بہت سارے فتنوں اور آفتوں کا بنیادی سبب بن سکتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے نگاہوں کو نیچا رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔

کوئی بھی انسان خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمودات اور ان کی لائی گئی تعلیمات پر عمل کرنے والا ہوگا وہ برے اور بے حیائی کے کاموں سے بچا رہے گا۔ عصر حاضر کی بین الاقوامی وباء "کرونا" اڑ کر ایک سے دوسرے کو لگ رہی ہے جب ہم غیر متعلقہ لوگوں سے دور رہیں گے تو "کرونا کی وباء سے بھی محفوظ رہیں گے۔ اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ مرد و عورت ایک دوسرے کو بالکل نہیں دیکھ سکتے۔ صرف بنظرِ شہوت دیکھنا ممنوع ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ: عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:" جَاءَ السُّودَانُ يَلْعَبُونَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمِ عِيدٍ فَدَعَانِي، فَكُنْتُ أَطَّلِعُ إِلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِ عَاتِقِهِ فَمَا زِلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهِمْ حَتَّى كُنْتُ أَنَا الَّتِي انْصَرَفْتُ۔17 "سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ، کچھ حبشی، عید کے دن اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کرتب دکھا رہے تھے۔ آپ نے مجھے بلایا، تو میں انہیں آپ کے کندھے کے اوپر سے دیکھ رہی تھی میں برابر دیکھتی رہی یہاں تک کہ میں (خود) ہی لوٹ آئی۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورتیں مردوں کو دیکھ سکتی ہیں۔ مردوں کی کارکردگی خواہ دینی فریضے کی ادائیگی سے تعلق رکھتی ہو یا ثقافتی سرگرمیوں سے، ایسی مجالس میں عورتوں کی شرکت ممنوع نہیں۔ اسی طرح معاشرتی اور معاشی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی مرد و عورت اپنی ذمہ

داریاں بھی ایک ساتھ ادا کر سکتے ہیں۔اس طرح کی مثالیں قرآن مجید اور کتبِ سیرت طیبہ میں جابجا موجود ہیں۔

(2)پاک وصاف عورتوں سے نکاح کرنا:

اللہ رب العلمین کا فرمان ہے: وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔18 "اور پاک دامن عورتیں اور جن کو کتاب دی گئی ان کی (عورتیں نکاح کے لیے)۔"

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری آیت مذکورہ کے تحت لکھتے ہیں کہ "محصنٰت کا معنٰی پاک دامن۔ یہاں مُسلمانوں کو ترغیب دلائی جارہی ہے کہ اگر تم شادی کرنا چاہتے ہو تو حُسن و دولت کی وجہ سے شادی نہ کرو بلکہ عفت و پاکدامنی کے زیور سے جو مزیّن ہو اس کے ساتھ شادی کرو۔ یہی ایک ایسی محکم بُنیاد ہے جس پر گھر کی جو عمارت اُٹھائی جائے گی وُہ زندگی میں پیش آنے والے سارے حادثات اور طوفانوں کا مقابلہ کر سکے گی۔۔۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ قرآن نے جو حلال فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کا صرف یہُودی یا نصرانی ہونا اس کی حرمت کا باعث نہیں لیکن اگر اس کی وجہ سے اَور خرابیاں رُونپزیر ہوتی ہوں تو پھر حرمت لغیرہ ثابت ہو جائے گی۔"19

اگر ہم محصنٰت کا معنٰی پاک دامن شادی شدہ عورتیں لیتے ہیں جو بیوہ ہو گئی ہوں یا طلاق یافتہ ہوں یا جن کے شوہر لاپتہ ہو گئے ہوں تو اُس نظریے کا رد ہو جاتا ہے جو استاذی ڈاکٹر شکیل اوج نے پیش کیا۔ یعنی "مؤمن عورتیں اہل کتاب کے پاک باز مردوں سے شادی کر سکتی ہیں" جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ "سوال یہ ہے کہ جس طرح کوئی مسلمان اہل کتاب عورت سے از روئے قرآن نکاح کر سکتا ہے تو کیا کوئی مسلمان عورت بھی کسی کتابی سے نکاح کر سکتی ہے؟ قرآن مجید نے اس سوال کا جواب بظاہر سکوت کی صورت میں دے دیا ہے۔ گویا قرآن کے سکوت نے اس مسئلہ کو مجتہد فیہ کر دیا ہے۔ جو مثبت اور منفی ہر دو طرح سے قابل فہم اور لائق شمول ہو سکتا ہے۔ یعنی ضروریات زمانہ کے اقتضاء سے کوئی بھی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ بہر حال ہمیں اس سکوت کا اثباتی پہلو زیادہ قرین صواب لگتا ہے، کیوں کہ مثبت معنٰی کے متعدد قرائن خود قرآن کریم کے اندر موجود ہیں۔"20

اس عنوان کی اگلی آیت ملاحظہ کیجیے: الزَّانِي لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَايَنكِحُهَا إِلَّازَانٍ أَوْمُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔21؎ "بدکار مرد تو بدکار یا مشرک عورت کے سوا نکاح نہیں کرتا اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوااور کوئی نکاح میں نہیں لاتااور یہ مومنوں پر حرام ہے۔"

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ رقم طراز "اس سے مراد محض ممانعت ہے نہ یہ کہ اس حکمِ ممانعت کے خلاف اگر کوئی نکاح کرے تو وہ قانوناً نکاح ہی نہ ہو اور نکاح کے باوجود فریقین زانی شمار کیے جائیں۔ نبی ﷺ نے یہ بات ایک قاعدہء کلّیہ کے طور پر ارشاد فرمائی ہے کہ: الحرام لا یحرم الحلال" حرام حلال کو حرام نہیں کر دیتا(طَبری،،دار القُطنی)یعنی ایک غیر قانونی فعل کسی دوسرے قانونی فعل کو غیر قانونی نہیں بنادیتا۔ لہٰذا کسی شخص کا ارتکابِ زنا اس بات کا موجب نہیں ہو سکتا کہ وہ نکاح بھی کرے تو اس کا شمار زنا ہی میں ہو اور معاہدہء نکاح کا دوسرا فریق جو بدکار نہیں ہے وہ بھی بدکار قرار پائے اصولاً بغاوت کے سوا کوئی قانونی فعل اپنے مرتکب کو خارج از حدودِ قانون (Outlaw) نہیں بنادیتا ہے کہ پھر اس کا کوئی فعل بھی قانونی نہ ہو سکے۔ اس چیز کو نگاہ میں رکھ کر اگر آیت پر غور کیا جائے تو اصل منشا صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی بدکاری جانی بوجھی ہو ان کو نکاح کے لیے منتخب کرنا ایک گناہ ہے جس سے اہل ایمان کو پرہیز کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اس سے بدکاروں کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔ حالانکہ شریعت انہیں معاشرے کا ایک مکروہ اور قابل نفرت عنصر قرار دینا چاہتی ہے۔ اسی طرح اس آیت سے یہ نتیجہ بھی نہیں نکلتا کہ زانی مسلم کا نکاح مشرک عورت سے اور زانیہ مسلمہ کا نکاح مشرک مرد سے صحیح ہے۔ آیت کا منشادراصل یہ بتاہے کہ زناایساسخت قبیح فعل ہے کہ جو شخص مسلمان ہوتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے وہ اس قابل نہیں رہتا کہ مسلم معاشرے کے پاک اور صالح لوگوں سے اس کا رشتہ ہو۔ اسے یا تو اپنے ہی جیسے زانیوں میں جانا چاہیے، یا پھر ان مشرکوں میں جو سرے سے احکام الٰہی پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے۔ آیت کے منشا کی صحیح ترجمانی وہ احادیث کرتی ہیں جو اس سلسلے میں نبی ﷺ سے مروی ہیں، مُسند احمد اور نسائی میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی روایت ہے کہ ایک عورت اُمِ مَہزول نامی تھی جو قحبہ گری کا پیشہ کرتی تھی۔ ایک مسلمان نے اس سے نکاح کرنا چاہا اور نبی ﷺ سے اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے منع فرمادیا اور یہی آیت پڑھی۔ شیخین (صدیق و عمر) رضی اللہ عنہما کا طرزِ

عمل یہ رہا ہے کہ جو غیر شادی شدہ مرد و عورت زنا کے الزام میں گرفتار ہوتے ان کو وہ پہلے سزائے تازیانہ دیتے اور پھر انہی کا آپس میں نکاح کر دیتے تھے۔"22

جب ہم قرآن مجید کی آیات میں غور کرتے ہیں تو ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ہمارا رب ہم پر کتنا مہربان ہے کہ اس نے ہمیں ایسے احکامات دیئے ہیں کہ ہم دنیا میں بیماری، تکلیف، وبال، کمزوری، بدنامی، رسوائی اور شرمندگی سے بچ سکتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا۔ 23 "اور قریب نہ جاؤ زنا کے بیشک وہ فعل بد اور برائی کا راستہ ہے۔" اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا۔ 24 (سورۃ الفرقان (25) آیت نمبر:68)" اور (عباد الرحمٰن) بدکاری نہیں کرتے ہیں اور جس نے یہ برا کام کیا اُسے اِس کا وبال بھگتنا پڑے گا۔"

یقینا کرونا اور ایڈز، مہلک بیماریاں ہیں اور ان بیماریوں کے اسباب میں سے ایک سبب زنا بھی ہے۔ ایڈ کی وجہ سے تو دنیا کے بیشتر ممالک میں قائم فحاشی کے اڈوں سے منسلک افراد کے ٹیسٹ کرائے جاتے ہیں اور وہاں سکون کی طلب میں آنے والوں کے لیے حفاظتی تدابیر اختیار کرنا لازمی ہوتا ہے۔ لیکن کرونا نے ان کی تمام احتیاطی تدابیر خاک میں ملا دی ہیں۔ کرونا سے بچنے کا ایک ہی سبب نظر آتا ہے جس کی تعلیم حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے دی۔

جب کسی انسان کو کسی چیز کی لت یا نشہ پڑ جاتا ہے تو وہ اس چیز کے حصول کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ اور اسے اس بات کی بھی تمیز نہیں رہتی کہ تھوڑے سے عارضی سکون کے لیے وہ اپنا مال، جان اور عزت تینوں، داؤ پر لگا رہا ہے۔ ایک زناکار گندے لوگوں سے تعلق قائم رکھتا ہے اور پھر صاف ستھرے لوگوں سے بھی تعلق قائم کرتا ہے تو ایسا شخص اپنی جان کا بھی دشمن ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی وبالِ جان بن جاتا ہے۔ اس طرح کی بے احتیاطی کرونا و دیگر مہلک امراض کا سبب بن سکتی ہے۔

(3) جسم کا پاک وصاف ہونا:

اللہ رب العٰلمین کا فرمان ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ

لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ 25ے "اے ماننے والوں جب تم قیامِ صلوٰۃ کے لیے اٹھو تو دھولو اپنے منہ اور ہاتھوں کو اور مسح کرلو اپنے سر کا، اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک۔ اور اگر تم جنبی ہو تو طہارت لو (پورے جسم کے لیے اچھی طرح) اور اگر تم مریض ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی حاجت سے فارغ ہوا ہے یا عورتوں سے ملے ہو اور پانی نہ ملے تو غیر آلود مٹی سے تیمم کو لو، اپنے چہرے اور ہاتھوں کا، اللہ تم سے تنگی نہیں چاہتا بلکہ وہ تم کو طاہر بنانا چاہتا ہے اور اپنی نعمتوں سے نوازنا، تا کہ تم اس کے شکر گزار بن جاؤ۔"

بدن کے پاک وصاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بدن کے کسی حصہ پر کسی بھی قسم کی نجاست، قے، تھوک بلغم، ریٹھ، گندی، بدبو، میل، خشکی وغیرہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جس سے ایک شریف النفس انسان کو گھن آتی ہے۔ جو معاشرے کو گندا کرنے معاشرے میں وبائی امراض کے پھیلاؤ کا سبب بنتی ہیں۔ اگر جسم کے کسی حصے پر نجاست لگ جائے تو اسے صاف وشفاف اور پاک پانی سے دھو کر صاف کرلے۔ صلوٰۃ کی ادائیگی سے قبل اپنا چہرہ، دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت، دھوئے، سر کا مسح کرے اور دونوں پاؤں ٹخنے تک (دھوئے) دانتوں کی صفائی کے لیے مسواک کرے رات کو سونے سے پہلے بھی ایسا کرلے تو بہتر ہے، اسی طرح بعض انسانی حالتوں میں غسل کرنے کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ جمعہ کے دن غسل کرنا مسنون قرار پایا ہے۔

جمعہ کے دن غسل کرنے کی فضیلت اور اس کی تاکید کا حکم ملتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ: حَقٌّ لِلَّهِ على كُلِّ مُسْلِمٍ أنْ يَغْتَسِلَ في كُلِّ سَبْعَةِ أيّامٍ، يَغْسِلُ رَأْسَهُ وجَسَدَهُ.26ے "اللہ کا ہر مسلم پر حق ہے کہ سات دنوں میں (کم از کم) ایک دن غسل کرے، جس میں اپنے سر اور جسم کو دھوئے۔"

اگر آدمی زیادہ دن نہ نہائے، غسل نہ کرے تو اس کے جسم پر بہت زیادہ میل جمنے اور پسینہ آنے سے بو آنے لگتی ہے، سر کے بالوں میں جوئیں اور خشکی ہو جاتی ہے۔ بال گرنے لگتے ہیں جو کہ دوسرے انسانوں کے لیے کراہیت کا باعث ہوتے ہیں۔ روایت میں ہے کہ: إذا جاءَ أحَدُكُمُ الجُمُعَةَ، فَلْيَغْتَسِلْ۔۔27ے "جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کو پائے تو چاہیے کہ وہ غسل کرے۔" مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ

جمعہ کا اجتماع ہو یا کوئی اور جلسہ غسل، وضو اور زینت وغیرہ کر کے شریک ہونا چاہیے۔ اس سے بھی پرہیز اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی تعلیم ملتی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔28؎ "اے آدم کی اولاد تم زینت کر لیا کرو مسجد کی حاضری کے وقت۔ اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

زینت کرنے سے انسان میں صفائی ستھرائی کی عادت پڑتی ہے۔ جمعہ اور عیدین کے دن خوشبو کے استعمال کو مستحب قرار دیا گیا ہے کیوں کہ یہ بھی زینت کا ایک حصہ ہے۔ عام حالت میں تو انسان لباس زیب تن کیا ہوتا ہے لیکن جب کسی محفل میں جاتا ہے تو لباس کو مزید درست کر لیتا ہے۔ کپڑوں کو دھو لیتا ہے یا اچھے کپڑے پہن لیتا ہے، سر پر ٹوپی / دستار لیتا ہے، گلے میں چادر، رومال یا مفلر وغیرہ ڈال لیتا ہے، قمیض کے اوپر واسکیٹ / کوٹی یا کوٹ وغیرہ پہنتا ہے۔ پاجامہ اور پتلون (Pants) بھی پہنی جا سکتی ہے جب کہ وہ ڈھیلی (Loose) ہو، تنگ (Tight) نہ ہو تاکہ معمولات کی ادائیگی بہترین انداز میں ہو سکے اور طہارت بھی آسانی سے لی جا سکے۔ "ٹائی بھی لگائی جا سکتی ہے البتہ "بو" لگانے سے پرہیز کرنا چاہیے یہ سب لباس کی زینت ہیں۔ اس کے علاوہ وضو / غسل کرنا تیل و خوشبو، سرمہ وغیرہ لگانا بھی زینت میں شامل ہیں۔ خواتین کا زیورات کا استعمال، ہونٹ، ہتھیلیوں اور ناخونوں کو رنگنا، چہرے، ہاتھ پاؤں وغیرہ کو گرم پانی سے دھونا یا تیل یا کسی کریم سے مساج وغیرہ کرنا بھی زینت ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ: کَمَا تَسرُو اِحدَا کُن الوَسَخَ بِالمَاءِ عَن وَجهِهَا۔29؎ "جس طرح تم میں سے کوئی عورت پانی سے اپنے چہرے کا میل و کچیل دور کرتی ہے۔" اس روایت سے مساج (Massage) اور فیشل (Facial) وغیرہ کا جواز ملتا ہے۔ قیام صلوۃ کے لیے وضو شرط ہے۔ اس کے علاوہ وضو کرنا مستحب قرار دیا گیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ: إذا أتيْتَ مَضْجَعَكَ، فَتَوَضَّأْ وضُوءَكَ لِلصَّلاةِ، ثُمَّ اضْطَجِعْ على شِقِّكَ الأيْمَنِ۔۔30؎ "جب تم اپنے بستر پر سونے کے لیے آؤ تو اس طرح وضو کر لو جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہو، پھر داہنی کروٹ پر لیٹ جاؤ۔" وضو کرنے کا یہ فائدہ ہو گا کہ ہمارے منہ کی صفائی بھی ہو جائے گی ہمارے دانت خراب ہونے سے محفوظ رہیں گے۔ ہمارے چہرے سے گرد و غبار دھل جائے گا۔ پہلے

لوگ پان کھاتے تھے اور پان کھانے کے آداب کو بھی ملحوظ رکھتے تھے۔ آج لوگ مختلف قسم کا نشہ کرتے ہیں۔ ان میں ایک گٹکا بھی ہے جو مختلف مضر صحت اشیاء کا مرکب ہوتا ہے۔ اس طرح کا گٹکا کھانے والوں کو عمومی طور پر منہ کا کینسر ہو جاتا ہے۔ جب یہ لوگ پیک تھوکتے ہیں تو دیکھتے نہیں، لوگوں کے کپڑے، جسم، سواریاں یا راستہ متاثر ہو رہا ہے۔ بعض اوقات لوگوں کو معلوم بھی نہیں ہو پاتا کہ ان کے جسم کے کسی حصے، چہرہ، ہاتھ یا پاؤں پر کسی نے گٹکے کی پیک تھوک دی ہے بعد میں جب ان کی نظر پڑتی ہے تو بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ آج کل تمباکو نوشی سے پاؤں کا کینسر ہونے لگا ہے دونوں صورتوں میں اگر ہم رات کو سونے سے قبل وضو کر لیں گے تو وہ ہمارے لیے سود مند ثابت ہو گا۔ اس سے وضو میں پاؤں دھونے کی اہمیت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جو لوگ وضو میں پاؤں کے مسح کے قائل ہیں انہیں بھی کم از کم دن میں ایک بار ضرور پاؤں دھو لینے چاہیئے۔ انسانی جسم کے بعض ایسے حصے ہیں جہاں اضافی بال ہوتے ہیں جب پسینہ ان مقامات پر رک اور جم جاتا ہے تو وہ خارش، کھجلی پیدا کرتا ہے جو بڑی بیماری کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ مؤمن چونکہ نفاست پسند ہوتا ہے اس لیے مؤمنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان مخصوص حصوں کی صفائی کا خاص خیال رکھیں اور ان مخصوص حصوں سے اضافی بالوں کو کاٹ ڈالیں۔

ایک روایت میں ہے کہ:الفِطرَۃُ خَمسَ الاختِتَانُ وَلاستِحدَادُوَقص الشَّارِبِ وَتقلِيمُ الاءظفَارِوَالاستِحدَادُ وَاالخِتَانُ۔ 31 یعنی "پانچ کام فطری ہیں، ختنہ کرانا، زیر ناف بال مونڈنا، مونچھیں کتروانا، ناخن کاٹنا، اور بغل کے بال زائل کرنا۔"

مسواک کرنا اور خوشبو کا استعمال کرنا دونوں انبیاء کرام کی سنتوں میں سے ہیں۔ مسواک کرنے کے بہت سے فائدے ہیں جیسے منہ کا صاف ہونا، دانتوں کا سفید ہونا، مسوڑھوں کا محفوظ ہونا، اور ان کو کیڑا لگنے سے بچانا، ، خوراک کی طرف رغبت کا پیدا ہونا، وغیرہ، اس کے فوائد میں شمار کیے جاتے ہیں۔ بعض امراض دانتوں اور مسوڑھوں کی خرابی سے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دانتوں اور مسوڑوں کی صفائی اور ان کی حفاظت کے لیے کئی قسم کے ٹوتھ پیسٹ، ٹوتھ پوڈر اور منجن تیار کیے گئے ہیں۔ مسواک کے معنیٰ "خلال کرنا" کے ہیں، مسواک درخت سے حاصل کی جانے والی لکڑی کو کہا جاتا ہے، ہمارے ہاں عمومی طور پر پیلو، نیم اور زیتون کی لکڑی کو بطور مسواک استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ کے رسول محمد ﷺ مسواک کرنے کو پسند کرتے تھے، اس کو ترک نہ فرماتے جب نیند سے بیدار ہوتے

تو مسواک کرتے جب گھر میں داخل ہوتے تو مسواک کرتے جب وضو کرتے تو مسواک کرتے، پھر وفات کے وقت حالتِ نزع میں بھی مسواک کی۔

ابو ہریرہ (عبد الرحمٰن) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي أَوْ عَلَى النَّاسِ لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلاَةٍ۔۔32 "اگر میری امت یا لوگوں کو پریشانی نہ ہوتی تو میں انہیں ہر صلوٰۃ کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔" ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ: عَن جعفرِ اَبِي طَالِبِ اَنَّ نَا سًا مِّن اَصحَابِ النَّبِيِّ دَخَلُو اعَلَى النَّبِيِّ فَقَالَ مَا اَرَاكُمْ قُلَّحاً اِستَاكُوا فَلَولاَ اَن اَشقَّ عَلَى اُمَّتِي لَا مَرتُهُم بِالسِّوَاكِ عِندَ كُلِّ صَلو ۃ۔33 "جعفر بن ابی طالب سے مروی ہے کہ کچھ لوگ نبی ﷺ کے ساتھیوں میں سے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ تمہارے دانتوں کو زرد دیکھتا ہوں، مسواک کیا کرو اگر میری امت کو پریشانی نہ ہوتی تو میں انہیں ہر صلوٰۃ کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔"

کچی پیاز اور کچا لہسن کھانے سے منہ میں سے ایک بو سی نکلتی ہے جو ملاقاتی کو محسوس ہوتی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے کچی پیاز کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ (يَعْنِي الثُّومَ) فَلاَ يَأْتِيَنَّ الْمَسَاجِدَ۔۔34 "ابن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی جنگ میں فرمایا: جو شخص اس پودے (یعنی لہسن) کو کھائے تو وہ مسجد میں نہ آئے۔" ایک اور حدیث میں آیا کہ: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلاً فَلْيَعْتَزِلْنَا أَوْ لِيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ وَ إِنَّهُ أُتِيَ بِقِدْرٍ فِيهِ خَضِرَاتٌ مِنْ بُقُولٍ فَوَجَدَ لَهَا رِيحًا فَسَأَلَ فَأُخْبِرَ بِمَا فِيهَا مِنَ الْبُقُولِ فَقَالَ قَرِّبُوهَا إِلَى بَعْضِ أَصْحَابِهِ فَلَمَّا رَآهُ كَرِهَ أَكْلَهَا قَالَ كُلْ فَإِنِّي أُنَاجِي مَنْ لاَ تُنَاجِي۔35 "جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص پیاز یا لہسن کھائے تو وہ ہم سے جدا رہے یا فرمایا: ہماری مسجد سے جدا رہے اور اپنے گھر بیٹھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس ایک ترکاری کی ہانڈی لائی گئی، آپ ﷺ نے اس میں بو محسوس کی تو فرمایا: اس میں کیا ڈالا ہے؟ جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو فلاں صحابی کے پاس لے جاؤ۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس نے بھی اس کا کھانا برا سمجھا (اس وجہ سے کہ آپ ﷺ نہیں کھایا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو کھالے کیوں کہ میں تو اس سے سرگوشی کرتا ہوں جس سے تو نہیں کرتا (یعنی ملائکہ سے)۔ "

آپ ﷺ سے کچی پیاز کا کھانا ثابت نہیں ہوتا نیز یہ کہ کچی پیاز و لہسن کھانا حرام نہیں لیکن لہسن پیاز وغیرہ کھاکر مسجد یا محفل میں نہیں جانا چاہیے۔ایک روایت میں ہے کہ:شريح عن أبيه؛ قال: سألت عائشة. قلت: بأي شيء كان يبدأ النبي صلى الله عليه وسلم إذا دخل بيته؟ قالت: بالسواك.۔36؎"شریح بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ نبی اکرم ﷺ گھر میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "مسواک کرتے تھے۔"

مسواک کے علاوہ منجن یا ٹوتھ پیسٹ (Toothpaste) وغیرہ سے بھی دانت صاف کیے جاسکتے ہیں۔خواتین بھی مسواک کر سکتی ہیں۔ تاہم بعض عورتوں کے دانت کمزور ہوتے ہیں اس لیے ایسی خواتین اس کا نعم البدل(مبادل چیز، منجن یا دنداسہ وغیرہ)استعمال کر سکتی ہیں۔سونے سے پہلے ہاتھ اور منہ میں گوشت یا چکنائی وغیرہ کا اثر یا اس کی بو ہو تو اس کو دھولینا چاہیے۔ایک روایت میں ہے کہ:عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ شَرِبَ لَبَناً فَمَضمَضَ وَقَالَ اِنَّ لَہٗ دَسَماً۔۔37؎"ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دودھ پیا تو کلی کی اور فرمایا کہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے۔"

اسی طرح صبح اٹھ کر پہلے ہاتھ دھونا چاہیے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ۔۔38؎"جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ اس وقت تک برتن میں نہ ڈالے جب تک اسے تین بار دھو نہ لے اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ رات میں اس کا ہاتھ کہاں تھا۔"

لہذا احتیاط یہ ہے کہ کسی برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے اچھی طرح سے دھولیا جائے۔سونے کی حالت میں انسان کا ہاتھ گندی جگہوں پر چلا جاتا ہے یا کوئی کیڑہ وغیرہ گذرا ہو جس کی وجہ سے مضر اثرات پیدا ہوگئے ہوں اس لیے ہاتھوں کو دھولینا چاہیے۔عصر حاضر میں اس سنت کو زندہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ بعض لوگ پسینے سے شرابور ہو کر گھروں میں داخل ہوتے ہیں اور بغیر ہاتھ منہ دھلے چھوٹے اور شیر خوار بچوں کو پیار کرتے ہیں انہیں چومتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کو ایسی حالت میں شیر خوار بچی کو پیار کرتے دیکھا ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو اُن کا پورا خاندان مجھ سے ناراض ہو گیا اور مجھے بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔الغرض موجودہ دور میں، کرونا نے اس

طرح دیکھاوے کا پیار کرنے کے اظہار سے روکا ہے اس کے باوجود بھی لوگ بے احتیاطی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔

امام غزالیؒ نقل کرتے ہیں کہ "اللہ کے رسول ﷺ نے ایک گروہ کے ہاتھ میں میل جمع دیکھا، تو فرمایا: ناخن کاٹ لو۔"39 امام غزالیؒ نقل کرتے ہیں کہ "داڑھی اگر لمبی ہو تو ایک مشت چھوڑ کر باقی کتر ڈالنا درست ہے تاکہ حد سے تجاوز نہ کرے، ابن عمر اور تابعین کے ایک گروہ نے ایسا ہی کیا ہے۔"40 یعنی اگر کسی کو بڑی داڑھی رکھنی ہی ہے تو وہ ایک مشت سے زیادہ بڑی نہ رکھے جیسے آج کل کے سکھ، یا بعض غیر مقلدین اور مجاور وغیرہ رکھتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ: عَن عَائِشَۃَ اَنَّ رَسُولَ اللهِ قَالَ اِذَاذَھَبَ اَحَدُکُم اِلٰی الغَائِطِ فَل یَذھَب مَعَہُ بِثَلَاثَۃِ اَحجَارِیَستَطِیبُ بِھِنَّ فَاِنَّھَا تُجزِئُ عَنہُ۔41 "سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی بول و براز کے لیے جائے تو وہ اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے، جن سے وہ جائے نجاست کو اچھی طرح صاف کرے کیوں کہ یہ اس کے لیے کافی ہو جائیں گے۔"

یہ اس صورت میں ہے جب پانی دستیاب نہ ہو یا جنگل بیابان میں بول براز کیا جائے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ: عَن اَنَسِ بنِ مَالِکٍ اَنَّ رَسُولَ اللهِ دَخَلَ حَائِطًا وَمَعہُ مِضَاۃٌ وھوٌاَصغرُنا فَوَضَعَھَا عِندَ السِّدُرَۃِ فَقَضَی حَاجَتَہُ فَخَرَجَ عَلَینَا وَقَد اسنَنجِیِی لماَء۔42 "انس بن مالک سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک باغ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ایک خادم تھا اور اس کے پاس وضو کرانے کا برتن تھا۔ اس وقت وہ ہی ہم سے چھوٹا تھا۔ چناں چہ اس نے وہ برتن بیری کے درخت کے پاس رکھا۔ پس آپ ﷺ نے حاجت رفع کی اور ہماری جانب تشریف لے آئے آپ نے پانی کے ساتھ استنجاء کیا تھا۔"

بیماری کی حالت میں بیگ لگانا یا کسی پیشاب کے لیے بنائے گئے برتن میں پیشاب کرنا بالکل جائز ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ: عَن حَکِیمَۃَ بِنتِ اُمَیمَۃَ بِنتِ رُقَیقَۃَ عَن اُمِّھَا اَنَّھَا قَالَت کَانَ لِنَّبِیِّ قَدَحٌ مِن عِیدَانٍ تَحتَ سَرِیرِ یَبُولُ فِیہِ بِاللَّیلِ۔43 "حکیمہ بنت اُمیہ بنت رقیقہ نے اپنی ماں سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: حضور ﷺ کے لیے آپ ﷺ کی چارپائی کے نیچے ایک لکڑی کا پیالہ تھا۔ آپ ﷺ رات کے وقت پیشاب کیا کرتے تھے۔"

بعض لوگوں کو موٹاپے یا بعض اوقات گردوں کی تکلیف کے باعث نیچے بیٹھ کر پیشاب کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسی اضطراری کیفیت میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ: عَن حُذیفَۃَ قَالَ رَاَیتُ رَسُولَ اللّٰہِ یبُولُ عَلَی سُبطَۃِ قَومٍ قَائِمًا۔44 "حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کے کوڑے پر کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا۔" کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس سے جسم یا کپڑے خراب نہ ہوں، پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے پر روایتوں میں وعید بیان کی گئی ہے۔ پبلک ٹائلیٹ میں کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کرنا چاہیے اس سے لوٹے، نل اور فرش وغیرہ پر پیشاب کی چھینٹیں آجاتی ہیں۔ اس بات کو بھی یاد رکھیں کہ طہارت و پاکیزگی، اللہ رب العلمین کی محبوب اور پسندیدہ چیزوں میں سے ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا: وَیَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡمَحِیۡضِ هُوَ اَذًى فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الۡمَحِیۡضِ وَلَا تَقۡرَبُوۡهُنَّ حَتّٰی یَطۡهُرۡنَ فَاِذَا تَطَهَّرۡنَ فَاۡتُوۡهُنَّ مِنۡ حَیۡثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ۔45 "آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں فرمادیں کہ وہ تو تکلیف دہ حالت ہے، ایسی حالت میں ان کا قرب حاصل نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ طہارت نہ لے لیں پھر جب وہ طہارت لے لیں تو ان کا قرب حاصل کرو، تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ رجوع کرنے والوں اور طاہروں کو پسند کرتا ہے۔"

پیش کی گئی آیت میں ازدواجی زندگی کے ایک مسئلے کے متعلق سوال کا جواب دیا جارہا ہے کہ حیض کی حالت میں ازدواجی تعلقات کی نوعیت کیسی ہونی چاہیے؟ قرآن مجید میں "لَا تَقۡرَبُوۡهُنَّ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ "ان کے قریب نہ جاؤ۔" جس سے مراد مباشرت کرنا ہے۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری آیت مذکورہ کے تحت لکھتے ہیں کہ "یہود ایامِ حیض میں عورتوں سے بالکل قطع تعلّق کرلیا کرتے تھے۔ ایک ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تو کجا اس کے ساتھ کھانا پینا بھی بند کر دیا جاتا بلکہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی ناپاک خیال کیا جاتا تھا اور مشرکینِ عرب کا رویہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا۔ لیکن نصاریٰ ان دنوں میں کسی قسم کا پرہیز نہیں کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم بستری سے بھی باز نہ آتے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دریافت کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی، جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط بلکہ اسلام کی روایتی میانہ روی اور اعتدال جلوہ فرما ہے۔ صحبت کرنے کو منع کر دیا گیا کیوں کہ مرد عورت دونوں کا فائدہ اسی میں ہے۔ عورت کی طبیعت ان دونوں نڈھال ہوتی ہے اور یہ عمل اس کے لیے بھی ناگوار خاطر ہوتا ہے۔ نیز

خون جو بہر حال غلیظ اور نجس ہے ایسے حال میں مقاربت کو کوئی سلیم الطبع انسان پسند نہیں کرتا بلکہ ایسا کرنے سے بسا اوقات ایسی نفرت پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر اس کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا لیکن ساتھ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے کو اسلام نے جائز رکھا کیوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔"46؎

ایک روایت میں ہے کہ:عَن عَائِشَۃَ قَالَت کُنتُ اَرجّلُ رَأس رَسُولِ اللہِ وَاَنَا حَائِض۔47؎"امّ المؤمنین فرماتی ہیں کہ: میں رسول اللہ ﷺ کے سرِ اقدس میں حالت حیض میں (بھی) کنگھی کر دیا کرتی تھی۔"

(4) کپڑوں کا پاک وصاف ہونا:

اللہ کے رسول ﷺ پر جب دوسری مرتبہ وحی نازل ہوئی تو اس میں ایک ہدایت یہ کی گئی کہ: وَثِیَابَكَ فَطَھِّرْ۔48؎ "اور آپ اپنے کپڑے پاک رکھو۔"

اصحاب رسول طہارت کا خاص خیال کرتے تھے، اللہ نے ان کی مدح فرمائی، اور قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:"فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ أَنْ یَّتَطَھَّرُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ۔"49؎"اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں، اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اگر کوئی شخص غسل کے بعد ان ہی کپڑوں کو دوبارہ پہن لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن اگر کپڑے پر نجاست لگی ہوئی ہو اور اسے دھوئے بغیر غسل کے بعد، وہی کپڑا پہن لیا جائے گا تو ان کپڑوں میں موجود نجاست جسم پر لگ جائے گی اور جسم کی وہ جگہ ناپاک ہو جائے گی، اس لیے جسم کے اس حصے کو دھونا ضروری ہوگا۔ ہر شخص کے کپڑے صاف ستھرے ہونا چاہیے، جسے آلودہ اور نجس پانی سے نہ دھویا گیا ہو۔ پاک صاف کپڑے قیام الصلوٰۃ کے لیے ضروری ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی پاک وصاف کپڑے پہننے کی تاکید کی گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ:سَمُرَۃَ بنِ جُندُبِ قَالَ رَسُولُ اللہِ اِلبَسُوا البَیَاضَ فَاِنَّھَااَطھَرُوَاَطیَبُ وکَفِّنُوا فِیھَا مَوتَاکُم۔50؎"سمرہ بن جندب کا بیان ہے کہ تم سفید پہنو کہ یہ زیادہ پاکیزہ اور نفیس ہیں اور انہیں اپنے مردو کو دو۔"

ایک روایت میں ہے کہ:عَن اَسمَاءَ قَالَت جَاءَتِ امرَاَۃ النَّبِیَّ فَقَالَت اَرَاَیت اِحدَنَا تحِیضُ فِی الثَّوبِ کَیفَ تَصنَعُ؟ قَالَتحُتُّہٗ ثُمَّ تَقرُصُہٗ ثُمَّ تَقرُصُہٗ بِالمَاءِ وَتَنضَحُہٗ وَتُصَلِّی فِیہِ۔51؎ اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت، نبی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئی، فرمایئے کہ ہم میں کسی کے کپڑے

میں خون حیض لگ جائے تو کیا کرے؟ فرمایا کہ اسے ملے۔ پھر اس پر پانی ڈالے اور پانی سے دھو کر اس میں صلوۃ قائم کرلے۔"

ایک روایت میں ہے کہ:عَن عَائِشَۃَ اُمِّ المُؤمِنِینَ اَنَّھَا قَالَت اُتِیَ رَسُولُ اللّٰہِ بِصَبِیٍّ فَبَالَ عَلٰی ثَوبِہٖ فَدَعَا بِمَآءٍ فَاَتبَعَہٗ اِیَّاہُ۔52 "ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں ایک (شیر خوار) بچہ لایا گیا جس نے آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کردیا۔ آپ نے پانی منگا کر اس پر ڈال دیا۔" معلوم ہوا کہ پیشاب چھوٹے بچے کا ہو یا کسی بڑے آدمی کا جس جگہ یا جس کپڑے پر لگ جائے اس جگہ اور اس کپڑے کا دھونا ضروری ہوتا ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ بعض لوگ اس جانب دھیان نہیں دیتے اور نہ ہی اپنے بچوں کی توجہ اس جانب مبذول کراتے ہیں۔ اگر بچہ بستر میں پیشاب کردے تو اسے دھو کر دھوپ میں رکھ دینا چاہیے ورنہ گھر میں پیشاب بو بس جاتی ہے جو مہمانوں کے لیے باعث اذیت ہوتی ہے۔

(5) قیام کی جگہ و مسکن کا پاک و صاف ہونا:

انسان جس جگہ صلوۃ ادا کرتا ہے وہ بھی پاک اور صاف ہونا چاہیے۔ اسی طرح وہ جس گھر میں رہتا ہے اس کو بھی صاف رکھے۔ اللہ رب العلمین کا فرمان ہے:وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْــــًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْقَاۗىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ، وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔53 "اور (یاد کیجیے) جب کہ ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی، (اور فرمایا) کہ اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور طواف کرنے والوں کے اور قیام اور رکوع و سجود کرنے والوں کے واسطے (میرے گھر کو) پاک رکھیں، اور لوگوں میں حج کا اعلان کردیں تاکہ لوگ تمہارے پاس پیادہ بھی اور طولِ سفر کی وجہ سے دبلی ہوجانے والی اونٹنیوں پر بھی دور دراز راستوں سے چلے آئیں گے۔"

ایک مقام پر فرمایا:وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًاؕ-وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّىؕ-وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔۔54 "اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے امان گاہ بنایا اور تم ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مصلہ بناؤ اور ہم نے ابراہیم و اسماعیل کو تاکید کی تھی کہ خوب پاک صاف رکھو میرا گھر طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔"

سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل عَلَیہِمَا السَّلَام کو بیتُ اللہ کو پاک و صاف رکھنے کا حکم دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ اور مسجدِ حرام کو حاجیوں، عمرہ کرنے والوں، طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور صلوٰۃ قائم کرنے والوں کے لیے پاک وصاف رکھا جائے، یہی حکم مساجد و اجتماع گاہ کو پاک و صاف رکھنے کا ہے، وہاں گندگی اور بدبودار چیز نہ لائی جائے۔ آج کل جو کرونا وبا کی وجہ سے مساجد میں احتیاطی تدابیر اختیار کی جارہی ہیں اس کے وجوب و مستحب ہونے کا ثبوت آیت مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے مشاہدے میں آیا ہے کہ جن علاقوں میں ناخواندگی کا تناسب زیادہ ہے وہاں لوگ مذہبی طور پر جزباتی تو ہوتے ہیں لیکن صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھتے، احتیاطی تدابیر نہیں اپناتے۔ انہیں علاقوں کی مساجد میں دعوت طعام کا بھی بہت زیادہ اہتمام ہوتا ہے، لوگ ہاتھ دھلے بے دھلے ایک ہی تھال میں کھانے لگتے ہیں۔ وضو کا پانی مسجد میں ٹپکاتے ہیں۔ ہمیں اس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

نیز یہ کہ آیت مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حج، عمرہ، طواف، اعتکاف اور گزشتہ امتوں میں بھی رائج تھا پچھلی امتیں بھی صلوٰۃ (نماز) ادا کرتی رہی ہیں اور ان کی نمازوں میں رکوع سجود دونوں شامل تھے اور یہ تواتر سے چلی آرہی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مساجد میں انتظامی کمیٹی اور خادمین کا ہونا ضروری ہے۔

فتح مکہ سے قبل، عثمان بن طلحہؓ کا خاندان بیت اللہ کا کنجی بردار تھا۔ فتح مکہ کے دن اللہ کے رسول ﷺ نے عثمانؓ بن طلحہؓ سے بیت اللہ کی کنجی طلب کی انہوں نے دے دی۔ اس کے بعد چچا محترم عباس بن عبد المطلبؓ نے بیت اللہ کی کنجی طلب کی خواہش ظاہر کی آپ ﷺ نے عنایت نہیں فرمائی۔ اس کے بعد محترم علی بن ابی طالبؓ نے بیت اللہ کی کنجی طلب کی خواہش ظاہر کی آپ نے عنایت نہیں فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہؓ کو بلایا اور انہیں یہ امانت سونپ دی۔ اور اُنھوں نے اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے انجام دی تھی۔55 اس واقعے سے بھی ثابت ہوا کہ مسجد کے خادم یا متولی کو چاہیے کہ وہ اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے مسجد کے تمام امور اچھے طریقے سے سرانجام دے۔

ایک روایت میں ہے کہ:حَدَّثَنَا بن مَسعُودِ اَنَّ اَبَاھُرَیْرَۃَ قَامَ اَعرَابِیٌّ فَبَالَ فِی المَسجِدِ فتَنَا ولَہٗ النّاسُ فقَالَ لَھُمُ النَّبِیُّ دَعُوہُ وَ ھَدِیقُواعَلٰی بَولِہٖ سَجَلاً مِّن مَّاء اَو ذَنُباً مِن مّاء فَاِنَّمَا بُعِثتُم مُیَسِّرِینَ وَلَم تُبعَثُوا مبِعَسِرِینَ۔56 "ابن مسعود سے روایت ہے کہ ابو ھریرہ نے کہا کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا

تو لوگ اسے پکڑنے لگے۔ نبی ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ جانے دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادینا کیوں کہ تمہیں آسانی مہیا کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے سختی کرنے کے لیے نہیں۔"

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ مسجد اللہ کا گھر ہوتا ہے۔ مسجد کے متولی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ معمولی معمولی اختلاف کے باعث انسانوں کو اللہ کے گھر آنے اور انہیں، خدائے واحد کی اطاعت و فرمابرداری اور اس کے سامنے گڑگڑانے سے روکے، اللہ کے گھر آنے سے روکنا مشرکوں کا طریقہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا اور انہیں عبادت کرنے کی اجازت بھی دی۔ 57 ثابت ہوا کہ کسی دوسرے مذہب سے تعلق رکھنے والے کے مسجد آنے سے مسجد ناپاک نہیں ہوتی۔

اپنا گھر صاف رکھنا بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ہمارے ہاں عموماً گھروں کی صفائی ستھرائی خواتین کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔ جب کہ سیرت طیبہ کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ گھر کے کام کاج میں حصہ لیتے تھے۔ قاضی محمد سُلیمان سَلمان منصور پوری، نے امام غزالی کی کتاب کیمیائے سعادت کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ گھر کی صفائی بھی کرتے تھے۔ 58

ایک روایت میں آیا ہے کہ: إنَّ اللهَ طَيِّب يُحِبُّ الطَّيِّبَ نَظِيف يُحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيم يُحِبُّ الكَرَمَ جَوَاد يُحِبُّ الجُودَ فَنَظِّفُوا أُرَاهُ قَالَ أفنِيَتَكُم وَلَا تَشَبَّهُوا بِاليَهُودِ ۔الخ۔۔59 "بیشک اللہ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے، اللہ نظیف ہے اور نظافت کو پسند فرماتا ہے، اللہ کریم ہے اور کرم کو پسند فرماتا ہے، اللہ سخی ہے اور سخاوت کو پسند فرماتا ہے، پس تم اپنے آپ کو پاک صاف رکھو، راوی نے بیان کیا کہ میں گمان کرتا ہوں کہ کہا کہ اپنے صحنوں کو صاف رکھو۔"

آپ ﷺ نے جگہ جگہ تھوکنے سے بھی منع فرمایا ہے، کہ اگر کسی کو تھوکنا ہی ہے تو وہ اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے اور اس پر جوتے پہنے پہنے اس کی کنار سے مٹی ڈال دے۔ ایک روایت میں ہے کہ:

عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: (الْبُصَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔۔60 "انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اسے مٹی میں دبادینا ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ: عَنْ اَبِي ذَرٍ، عَنْ نَبِي صَلى اللهِ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عُرِضَتْ عَلَيَّ أعمالُ أُمتي، حَسَنُهَا وسَيِّئُهَا فَوَجَدتُ في مَحاسِنِ أَعْمَالِهَا الأَذَى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيقِ، ووَجَدتُ في مَسَاوِئِ أَعْمَالِهَا النُّخاعَةُ تَكُونُ في المَسْجِدِ لا تُدْفَنُ۔۔ 61 **"ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میرے سامنے میری امت کے اچھے اور برے اعمال پیش کیے گئے۔ میں نے اپنی امت کے اچھے اعمال میں راستے سے تکلیف دہ شے (کانٹا، پتھر، نجاست وغیرہ) کو ہٹانا بھی دیکھا اور اس کے برے اعمال میں مسجد میں پڑا وہ بلغم بھی پایا جسے دفن نہ کیا جائے۔"**

ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کے فرمودات سے یہ سبق ملتا ہے کہ، جگہ جگہ نہیں تھوکنا چاہیے۔ مساجد میں ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ اپنی عادت سے مجبور ہو کر نماز کے دوران بھی اپنی ناک میں انگلیاں ڈالدیتے ہیں۔ بعض وضو خانے اور استنجاخانے کے فرش اور عام راستے میں تھوکتے رہتے ہیں۔ آج کل طرح طرح کی بیماریاں جنم لے رہی ہیں اس لیے جس جگہ تھوک پھینکیں وہاں مٹی ڈال دیں یا گندے پانی کی نالی میں بہادیں۔ گٹکے وغیرہ میں تو کیمیکل ہوتا ہے جو کینسر کا سبب بنتا ہے اس لیے خصوصاً چلتی گاڑی سے گٹکا نہیں تھوکنا چاہیے بلکہ ایسا کرنے والے پر جرمانہ عائد ہونا چاہیے۔ اگر کوئی مریض راستے میں قے کردے تو اس قے پر بھی مٹی ڈال دینی چاہیے۔ یہی مؤمنوں کا شیوہ اور ان کا تعمل رہا ہے۔

(6) بستر کا پاک وصاف ہونا:

یعنی گھر کے بستر، تکیہ، چادر وغیرہ کو پاک صاف رکھا جائے۔ اگر بستر ناپاک ہو جائے تو اس پر بیٹھ کر ذکر اذکار کرنا منع نہیں البتہ ناپاک جگہ پر بیٹھ کر ذکر کرنا، ادب کے خلاف ہے، چناں چہ ایسی صورت میں بستر کے اوپر کوئی پاک کپڑا اچھالینا چاہیے۔ اگر کبھی رضائی ناپاک ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ رضائی کے ناپاک حصہ پر تین مرتبہ خوب پانی بہایا جائے، اور ہر مرتبہ دھو کر اتنی دیر چھوڑ دیا جائے کہ پانی کے قطرے گرنا بند ہو جائیں، پانی بہانے کے بعد پوری طرح سکھانا ضروری نہیں ہے، تین مرتبہ ایسا کرنے سے پاک ہو جائے گی۔

اللہ کے رسول ﷺ کے بستر کے طیب وطاہر ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بستر پر وحی بھی نازل ہوئی، جیسا کہ ارشاد ہوا:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ- قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا- نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا- أَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلً - إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا - إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا - إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا -62؎

"اے جو کپڑے میں لپٹ رہے ہو رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی سی رات آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے کچھ شک نہیں کہ رات کا اٹھنا (نفس بہیمی) کو سخت پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے دن کے وقت تو تمہیں اور بہت سے شغل ہوتے ہیں۔"

آیت مذکورہ سے نیند لینے کی اہمیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔اور یہ کہ نیند لینا بھی صحت کے لیے ضروری ہے اتنی نیند ضرور لینی چاہیے تاکہ دن کے مشاغل متاثر نہ ہوں۔شور وغل سے لوگوں کی نیندیں خراب کرنا شارع کو پسند نہیں سورہ نور میں بھی اس جانب توجّہ دلائی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بستر مبارک کے متعلق متعدد حوالوں سے احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ایک روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں بیان کیا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم میں سے کسی بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی ہاں ان (عائشہ) کے لحاف میں وحی نازل ہوتی ہے۔"63؎

غالباً یہ وجہ بھی ہے کہ امّ المؤمنین،امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد ابوسفیان کو حضور ﷺ کے بستر مبارک پر بیٹھنے نہیں دیا۔جیسا کہ اردو سیرت نگار علامہ عبد مصطفیٰ اعظمیؒ نے نقل کیا ہے کہ:ان کے والد ابوسفیان جب کفر کی حالت میں تھے اور صلح حدیبیہ کی تجدید کے لیے مدینہ آئے تو بے تکلف ان کے مکان میں جا کر بستر نبوت پر بیٹھ گئے۔حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔اور یہ کہہ کر اپنے باپ کو بستر سے اٹھا دیا کہ یہ بستر نبوت ہے۔میں کبھی یہ گوارہ نہیں کرسکتی کہ ایک مشرک اس بستر پر بیٹھے۔"64؎

اس واقعہ کے بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ تاکہ ثابت ہو جائے کہ حضور ﷺ کا بستر مبارک ہر طرح سے طیب و طاہر رہتا تھا۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی مشرک یا کافر یا اہل کتاب کے کسی فرد کے بیٹھنے سے بستر،چادر، قالین یا فرش ناپاک ہو جاتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی ایسی بات حضور ﷺ کے تعمل سے ثابت ہے۔بلکہ علامہ شبلی رقم طراز ہیں"اسیران جنگ دو دو،چار چار صحابہ کو تقسیم کر دیئے گئے۔

اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں۔ صحابہ نے اُن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ اُن کو کھانا کھلاتے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے۔ ان قیدیوں میں ابو عزیز بھی تھے جو حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا جب صبح یا شام کا کھانا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھالیتے۔ مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی اُن کے ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھی کو واپس کر دیتے اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت ﷺ نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ حضرت عباس (کے بدن پر کرتا نہ تھا لیکن اُن) کا قد اس قدر اونچا تھا کسی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا۔ عبد اللہ ابن ابی (رئیس المنافقین) نے کہ حضرت عباس کا ہم قد تھا اپنا کرتہ منگوا کر دیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبد اللہ کے کفن کے لیے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔"65

(7) برتن و استعمال کی اشیاء کا پاک وصاف ہونا:

گھر کے دروازے کھڑکیاں، پردے، فرنیچر اور سواری اور کھانے پینے کے برتن وغیرہ کو پاک و صاف رکھنا چاہیے۔ روایات میں کھانے پینے کے برتنوں کو کھلا رکھنے کی بھی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: أطْفِئوا المصابيح بالليل إذا رقدتم، وأغلِقوا الأبواب، وأوْكِئوا الأسقية، وخمِّروا الطعام والشراب۔66 "جب تم رات میں سونے لگو تو چراغوں کو بجھا دو، دروازوں کو بند کرلو، پینے کے برتن کو ڈھانپ دو اور کھانے اور پینے کے سامان کو ڈھک دو۔" کیوں کہ ان کو کھلا رکھنے سے ان میں حشرات الارض، جراثیم اور گرد وغیرہ پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے جس سے انسان کی صحت پر برے اثرات وارد ہوتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ غَطُّوا الإِنَاءَ وَ أَوْكُوا السِّقَاءَ فَإِنَّ فِي السَّنَةِ لَيْلَةً يَنْزِلُ فِيهَا وَ بَاءٌ لاَ يَمُرُّ بِإِنَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ غِطَاءٌ أَوْ سِقَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ وِكَاءٌ إِلاَّ نَزَلَ فِيهِ مِنْ ذَلِكَ الْوَبَاءِ۔۔۔ 67" جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "برتنوں کو ڈھکا کرو اور مشکیزہ کو باندھا کرو کیونکہ سال میں ایک رات ایسی بھی ہوتی ہے جس میں وباء نازل ہوتی ہے اور جو برتن ڈھکے ہوئے نہیں ہوتے ہیں، یا جو مشکیزے بندھے ہوئے نہیں ہوتے ہیں اس میں وہ وبا سرایت کرتی ہے۔"

(8) کھانے پینے کی چیزوں کا پاک وصاف ہونا:

کھانے، پینے کی چیزوں کو پاک وصاف رکھنا چاہیے تا کہ ناپاک و گندی چیزیں ہمارے پیٹ میں نہ جائیں۔ رب العلمین کا فرمان ہے: يَآ اَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۔۔الخ۔68 "اے لوگو جو کچھ زمین میں حلال اور طیب ہے اس میں سے کھاؤ۔"

ایک مقام پر فرمایا: وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۔الخ۔69 " اور کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔" اگر کوئی نجس یا مضر صحت چیز کھانے پینے کی چیزوں میں گر جائے تو اس کے احکامات کی تفصیل ہمیں قرآن اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں ملتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ: عَن مِمُونَۃَ اَنَّ رَسُولَ اللهِ سُئِلَ عَن فَارَة سَقَطَت فِي سَمن فَقَالَ القوهَا وَمَا حولَهَا فاطرَ حوهُ وَكُلُوْا سَمَنَكُم ۔70 "میمونہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے چوہے کہ متعلق دریافت کیا گیا جب کہ وہ گھی میں گر جائے۔ فرمایا کہ: اسے نکال دو اور اس کے ارد گرد سے (بھی نکال دو) اور اپنے (باقی) گھی کو کھالو۔"

معلوم ہوا کہ چوہا نجس اور ضرر رساں، ہوتا ہے اور وہ مہلک مرض کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ اس لیے ایسی ضرر رساں چیزوں سے اپنے مال و جان کی حفاظت کرنی چاہیے۔

ایک روایت میں ہے کہ: عَن اَبِي هُرَيرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللهِ نَهِى اَن يُشرَبَ مِن فِي السَّقَاءِ قَالَ اَبُوبُقَاُنبِئتُ اَنَّ رَجُلاً شَرِبَ مِن فِي السَّقَاءِ فَخَرَجَت حَيَّة۔۔71 "ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے مشکیزے کے منہ سے منہ لگا کر پانی پیا تو اس میں سے سانپ نکل آیا۔"

ایک روایت میں ہے کہ: حَدَّثَنَامُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَاإِسْمَاعِيلُ، أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُشْرَبَ مِنْ فِي السِّقَاءِ- 72 "ہم سے مسدد نے بیان کیا کہ، ہم سے اسماعیل نے کہا کہ، ہمیں ایوب نے خبر دی کہ انہیں عکرمہ نے اور انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی ﷺ نے مشک کے منہ سے پانی پینے کی ممانعت فرمادی تھی۔"

پانی پینا انسان کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ آج کل کے جدید دور میں مشروب بوتلوں، گتے کے ڈبو میں فروخت ہوتا ہے۔ بعض افراد بن دیکھے نلکی (اسٹرو) یا بغیر نلکی کے منہ لگا کر مشروب نوش کر لیتے ہیں، دکانوں میں چوہے گھومتے رہتے ہیں جو کہ بیماری کا باعث بنتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہمارے ایک استاد محترم نے امتحانات کے دوران میرے اور اپنے لیے جوس

منگایا، انہوں نے اسٹرو سے جوس نوش کرلیا جب راقم پینے لگا تو اس میں چوٹیاں تھیں۔ یاد رہے کہ حشرات العرض خشک اور ٹنڈی جگہ کو پسند کرتے ہیں۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ بعض اوقات بوتلوں میں گرد آلود پانی بھی آجاتا ہے۔ اس لیے جو پانی پینے کے آداب بتائے گئے ہیں ہمیں ان کو اپنانا چاہیے جو ہمیں مضر اثرات سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ هُوَ الدَّسْتُوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلاَ يَتَنَفَّسْ فِي الإِنَاءِ۔۔73 "ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ، انہوں نے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کوئی چیز نوش کرے تو برتن میں سانس نہ لے۔" معلوم ہوا کہ جو سانس جسم سے نکلتی ہے وہ مضر صحت ہوتی ہے اس لیے کسی سے بات کرتے وقت تھوڑا سا فاصلہ رکھنا چاہیے بعض اوقات منہ سے چھینٹے اور کھانے کے رکے ہوئے زرات بھی منہ سے باہر نکل آتے ہیں۔ چھینک وغیرہ بھی کسی انسان یا چیز پر نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کسی کو کرونا ہو تو اس کے جراثیم دوسرے کو لگ سکتے ہیں۔

(9) پانی، کنواں، نہر، تالاب وغیرہ کا پاک وصاف ہونا:

اسلام میں پانی کی بڑی اہمیت ہے اور اس کو صاف اور پاک رکھنے کا حکم دیا گیا تاکہ کسی بھی شخص کو اس کے استعمال سے نقصان نہ ہو۔ پانی اگر کنواں، ٹیوب ویل، ٹنکی و بالٹی یا کسی بھی برتن میں ہو تو اس کو ناپاک چیزوں سے بچایا جائے۔ پانی کے برتن کا منہ ڈھک کر رکھے تاکہ اس میں کوئی گندگی و ناپاک چیز نہ چلی جائے۔ ڈینگی بخار کا سبب ڈینگی مچھر بتایا جاتا ہے جو صاف پانی میں پھلتا پھولتا ہے۔ اس لیے گھر میں زخیرہ کیے گئے پانی کو ڈھانک کر رکھنا چاہیے۔

ایک روایت میں ہے کہ: عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ اتَّقُواالمَلَا عِنِ الثَّلَاثَۃَ البَرَازَ فِی المَوَرِدِ وَ قَارِعَةِ الطَّرِيقِ وَالظِّلِّ۔74 "معاذ بن جبل نے حدیث بیان کی کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لعنت کے تین مقامات سے بچو، پانی لینے کی جگہ، راستے کے درمیان اور سائے میں قضائے حاجت کرنے سے۔"

ایک روایت میں ہے کہ: اَبوحَنیفَۃَ عَن اَبِی الزَّبَیرِعَن جَبرٍقَالَ قَالَ رَسُولَ اللهِ: لَایَبُولَنَّ اَحَدَکُم فِی المَآءِ الدَّئِم ثُمَّ یَتَوَضَّأُ مِنہُ۔75 "امام ابو حنیفہ، ابو زبیر سے اور وہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے (پھر ایسا نہ ہو کہ) اسی سے وضو کرلے۔"

حاصل یہ ہوا کہ استعمال کے لیے کنواں، ٹیوب ویل، ٹنکی حوض اور بالٹی یا کسی بھی برتن زخیرہ کیے گئے پانی میں، بول وبراز کرنا، بغیر دھلے ہاتھ ڈالنا، جانوروں کو اس میں چھوڑ دینا سب ممنوع اور پانی کو نجس بنانے اور بیماریاں پھیلانے کے ذرائع ہیں۔ ان سے احتیاط ہمیں کرونا و دیگر بیماریوں سے روک سکتی ہے۔

(10) اردگرد کے ماحول کا گندگی اور بدبو پیدا کرنے والی چیزوں سے پاک وصاف رکھنا:

دنیا کے بڑے مسائل میں سے ایک مسئلہ ماحولیاتی آلودگی بھی ہے۔ گندگی کے ڈھیر، گٹروں کا پانی، فیکٹریوں کا دھواں، ہوا کو آلودہ کررہا ہے اور یہ انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ گندگی کے ڈھیروں سے زہریلی گیس نکلتی ہیں جو کہ موذی امراض کا موجب ہے۔ اس لیے ہمیں چاہئے کہ اپنے اردگرد کے ماحول کو صاف رکھیں۔ بیکار چیزوں کاغذ، گتہ، ٹین کے ڈبے، ھڈی، کانچ، شیشہ، لوہے، کانچ اور پلاسٹک کے برتن اور بوتلیں وغیرہ کچرے میں نہ پھینکیں بلکہ کباڑ میں دے دیں۔ دھواں دینے والی گاڑیوں کا استعمال نہ کریں، اپنے گھروں اور دوسرے مقامات پر زیادہ سے زیادہ درخت لگائیں۔ یہ ہمارا انسانی، اخلاقی، مذہبی اور قومی فریضہ بھی ہے اسلام نے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ راستوں کو صاف رکھیں اور تکلیف دہ چیزوں کو راستے سے ہٹادیں۔ اسی طرح پیشاب وغیرہ سڑک، باغ، سایہ دار درخت کے نیچے اور تالاب، ندی وغیرہ کے پانی میں نہ کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ: عَن جَابِرِبنِ عَبدِاللهِ اَنَّ النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم کَانَ اِذَااَرَادَالبَرَازَانطَلَقَ حَتّٰی لَایَرَاهُ اَحَدٌ۔ 76 جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں ک،'جب نبی ﷺ بول وبراز کا ارادہ فرماتے تو آپ تشریف لے جاتے یہاں تک کہ کوئی آپ کو نہ دیکھ سکتا۔"

ایک روایت میں ہے کہ: عَن عَبدِ اللهِ بنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ لَا یَبُولَنَّ اَحَدُکُم فِی مُستَحَمِّهِ ثُمَّ یَغتَسِلُ فِیهِ۔ 77 "عبد اللہ بن مغفل نے حدیث بیان کی کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کو اپنے غسل خانے میں پیشاب نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اسی جگہ پر غسل کرتا ہے۔"

راستہ میں گندی چیزوں کو ڈالنا بھی خدا کی رحمت سے دور کر دیتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ اسی طرح جانوروں کو بھی ایسی جگہوں پر نہ لے جائیں جہاں ان کے بول وبراز سے پانی ناپاک اور گندہ ہو جائے۔ مردار اور ناپاک چیزوں کو بھی کھلا نہ چھوڑیں بلکہ انہیں مٹی میں دفن کر دیں۔

ایک جانب اُن طاقت ور قوموں کا حال تھا جو کہ کمزوروں پر حملہ کرتی تھیں اور ان کو قتل کرنے کے بعد زمین پر کھلا چھوڑ دیتی تھیں جن کی نعشوں کو گوشت خور پرندے اور درندے کھا جاتے تھے۔ اس بات کی نشاندہی امام حمید الدین فراہیؒ نے سورہ فیل کی تفسیر میں بیان کی ہے۔ امام حمید الدین فراہیؒ رقم طراز ہیں کہ "عکرمہ اور ابن عباس کی روایت سے صاف واضح ہے کہ چڑیاں بڑے قد کی شکاری چڑیوں کی قسم کی تھیں، مثلاً گدھ وغیرہ۔ ابن جریر والی روایت میں تصریح ہے کہ وہ ان کی لاشوں کو کھاتی تھیں۔"78؎ امام فراہی لکھتے ہیں کہ "قتل گاہوں اور جنگ کے میدانوں میں گوشت خور چڑیوں کا جمع ہونا عربوں میں ایک معلوم و مشہور بات تھی۔ وہ فوج کے ساتھ چڑیوں کے جھنڈ کو دیکھ کر فیصلہ کر لیتے تھے کہ لڑائی ضرور ہو گی اصحاب رجیع کے قتل کی پیشن گوئی عمر بن امیہ نے اسی دلیل سے کی تھی۔ بعض شعراء فوجیوں کے ذکر کے ساتھ چڑیوں کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ چڑیوں کو اندازہ ہو گیا کہ میدان جنگ میں بے شمار لاشیں ملیں گی اس وجہ سے وہ بھی ساتھ ہو لی ہیں۔"79؎

ان کے برعکس، اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت طیبہ کو دیکھئے: معروف سیرت نگار علامہ شبلی نعمانیؒ مقتولینِ بدر کی تدفین کے متعلق رقم طراز ہیں کہ "لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جہاں کوئی لاش نظر آتی تھی آپ ﷺ اس کو زمین میں دفن کر دیتے تھے۔ لیکن اس موقع پر کشتوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرنا مشکل تھا۔ ایک وسیع کنواں تھا۔ تمام لاشیں آپ ﷺ نے اس کنویں میں ڈلوا دیں۔ لیکن اُمیّہ کی لاش پھول کر اس قابل نہیں رہی تھی کہ جگہ سے ہٹائی جاوے۔ اس لیے وہیں خاک میں دبا دی گئی۔"80؎ اس واقعے سے ان لوگوں کو نصیحت پکڑنی چاہیے جو جگہ جگہ جانور ذبح کرتے ہیں اور غلاظت وغیرہ راستے میں چھوڑ دیتے ہیں۔ جن سے تعفن پھیلتا ہے اور بیماریاں جنم لیتی ہیں گوشت خور پرندے فضا میں منڈلاتے ہیں جو بعض اوقات فضائی حادثات کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ جگہ جگہ مویشیوں کو ذبح کرنا، مذہبی، اخلاقی اور قانونی طور پر درست نہیں۔ مویشی اسی جگہ ذبح کرنا چاہیے جو اس کے ذبح کرنے کا مقام بنایا گیا ہے۔ حج کے موقع پر بھی مویشیوں کے قربان کرنے کی جگہ مقرر کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَـٰٓئِرَ ٱللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى ٱلْقُلُوبِ۔ لَكُمْ فِيهَا مَنَـٰفِعُ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ إِلَى ٱلْبَيْتِ ٱلْعَتِيقِ۔ 81 "حقیقت یہ ہے، اور جو ادب و احترام کرتا ہے اللہ کی نشانیوں کا تو یہ اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔ تمہارے لیے مویشیوں میں طرح طرح کے فائدے ہیں ایک معین مدت تک پھر ان کے ذبح کرنے کا مقام بیت عتیق کے قریب ہے۔"

راستہ کی حق تلفی کے بہت سے طریقے ہیں اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض لوگ تقاریب کا اہتمام کرتے ہیں اور مذکورہ مقصد کے لیے عام راستہ بند کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے لوگوں کو بہت زیادہ تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ منع کرنے پر بحث کرنے لگتے ہے۔ کبھی کبھی تو معاملہ لڑائی جھگڑے تک پہنچ جاتا ہے۔ ایسی تمام تقریبات خواہ ان کا تعلق مذہب سے ہو یا ثقافت یا معاشرت سے، عام راستے کو بند کر کے تقریب منعقد کرنا جائز نہیں۔

روایت میں ہے کہ: قال صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والجلوس بالطرقات . فقالوا: يا رسول الله ما لنا بُدّ من مجالسنا نتحدث فيها . قال رسول الله: فإذا أبيتم إلا المجلس فأعطوا الطريق حقه قالوا: وما حقهُ الطريق يا رسول الله قال: غض البصر وكف الأذى ورد السلام والأمر بالمعروف والنهى عن المنكر۔ 82 "اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: گلیوں میں بیٹھ نے سے بچو۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ، ہمارے پاس کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں ہم بیٹھ کر بات چیت کریں۔ آپ نے فرمایا: پس اگر تم نے جمع ہونا ہی ہے تو راستے کو اس کا حق دے دو، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول، راستے کا کیا حق ہے، آپ نے فرمایا: نظریں نیچی رکھو، نقصان کو روکو، صلح کرو، نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو۔"

ایک روایت میں ہے کہ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: الإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا: قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَدْنَاهَا: إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيْمَانِ۔ 83 "ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ایمان کی ستر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں

جن میں سب سے افضل لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ (خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنا) ہے اور ان میں سب سے نچلا درجہ کسی تکلیف دہ چیز کا راستے سے دور کر دینا ہے۔ اور حیاء بھی ایمان کی ایک (اہم) شاخ ہے۔"

خلاصہ:

دنیا کی تباہی، بربادی اور اور اس میں وبائی امراض کے پھیلاؤ کا بنیادی سبب یہی ہے جو کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے علامات قیامت بیان فرمائی کہ:

إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ: أَنْ يُرْفَعَ العِلْمُ وَيَثْبُتَ الجَهْلُ، وَيُشْرَبَ الخَمْرُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا-84" یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے کہ علم اٹھ جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی۔ شراب بکثرت نوش کی جائے گی اور زناکاری عام ہو جائے گی۔"

غور فرمایئے کہ انسانوں میں ناخواندگی کی شرح میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے بلکہ اسناد رکھنے والے بھی ابوجہل کے طور پر سامنے آرہے ہیں، صفائی ستھرائی کا فقدان ہے، ہر چیز میں ضروری و غیر ضروری طور پر الکوحل کی آمیزش کی جانے لگی ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں میں شرک یعنی ملاوٹ کی جارہی ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں میں کھانے کے رنگ کے بجائے کپڑے کا رنگ ڈالا جارہا ہے۔ بعض اوقات مضر صحت گوشت بھی فروخت کر دیا جاتا ہے۔ ہمیں تو حکم یہ دیا گیا ہے کہ مویشیوں کو ذبح اس طرح کرو کہ ان کا خون رگ رگ سے نکل جائے اور گوشت خون سے بالکل پاک صاف اور پاکیزہ ہو جائے۔ فارمی مرغیوں اور انڈوں کی طرح اب فارم کی مچھلیاں بھی فروخت ہو رہی ہیں جن کی غذا میں ناپاک اور حرام جانوروں کے اجزاء شامل کیے جاتے ہیں۔ بعض اوقات سبزیوں اور پھلوں پر کیڑے مار دواؤں کا اسپرے اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ وہ کھانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ سبزی فروش، ادرک اور لہسن کو تیزاب میں دھو کر بیچ رہے ہیں۔ دریاؤں اور پینے کے پانی کے زخائر میں گندہ، مضر صحت اور استعمال شدہ پانی چھوڑا جارہا ہے۔ دھواں چھوڑنے والی گاڑیاں سڑکوں پر رواں دواں ہیں جو معاشرے میں فضائی آلودگی کا باعث بنتی جارہی ہیں۔ کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔

نکاح کے بجائے سکون کے غیر شرعی طریقوں کو اپنانے کے قانون بنائے جارہے ہیں۔ ان اقدامات کی بنا پر دنیا آفت زدہ بنتی جارہی ہے۔ نئی نئی بیماریاں، کرونا، ایڈ، وغیرہ جیسے امراض سامنے رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس نظام کو اپنایا جائے جس کو سیدنا محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لے کر آئے، جس

کو اپنا کر قرونِ اولیٰ کے مؤمنوں نے ایک صحت مند معاشرہ تشکیل دیا تھا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنے معاشرے کو بیماریوں کی آماج گاہ نہ بننے دیں تو ہمیں سیرت طیبہ کے سنہری اصولوں کو اپنانا ہو گا۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے۔ معاشرے میں اچھے اور برے ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں مہذب اور با اخلاق بنانے کے لیے سیرت طیبہ سے ایسے ایسے واقعات کو عوام کے سامنے عام فہم انداز پیش کیا جانا چاہیے تاکہ ان میں شعور بیدار ہو اور وہ اچھے برے میں تمیز کر سکیں۔ صفائی ستھرائی کا خیال رکھ سکیں۔ ہمارے معاشرے میں قیادت کا فقدان ہے عوام مذہبی رہنماؤں کی باتوں کو توجّہ سے سنتی ہے اور اس پر عمل بھی کرتی ہے۔ اگر ہمارے علمائے دین، عوام کی توجہ صفائی ستھرائی کی جانب بھی مبذول کرائیں تو اس کے دور رس نتائج بر آمد ہونگے۔ ہم اور دنیا عالمی وباء کرونا سمیت دیگر بیماریوں سے مقابلہ کر کے اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہ سکے گی۔

حوالہ جات و تعلیقات

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضو، حدیث:223

2۔ سورۃ الاعراف (7) آیت نمبر:157

3۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن جلد: دوم، (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، دسمبر 1997ء) ص:85-86

4۔ سورۃ الحج (22) آیت نمبر:53

5۔ سورۃ الزمر (39) آیت نمبر:22

6۔ محمد کرم شاہ، پیر، تفسیر ضیاء القران، جلد چہارم، (لاہور، ضیاء القران پبلی کیشنز، 2015ء) ص:226-227

7۔ سورۃ ال عمران (3) آیت نمبر:8

8۔ سورۃ الحج (22) آیت نمبر:35

9۔ مسلم الصحیح ، كِتَابُ الْمُسَاقَاةِ وَالْمُزَارَعَةِ ،بَابُ أَخْذِ الْحَلَالِ وَتَرْكِ الشُّبُهَاتِ، رقم: 1599

10۔ صحیح مسلم، جلد اول، ایمان کا بیان، حدیث نمبر:369

11۔ سورۃ النور (24) آیت نمبر:30

12۔ سورۃ النور (24) آیت نمبر:31

13۔ سورۃ الاعراف (7) آیت نمبر:27

14۔ سنن ابی داؤد، جلد دوم، (لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ایڈیشن۔۔، رقم:1836، ص:56

15۔ سنن ابی داؤد، جلد دوم، رقم:1837، ص:57

16۔ سنن ابی داؤد، باب: نظر نیچی رکھنے کا حکم، حدیث نمبر:2152

17۔ سنن نسائی، باب صلوۃ العیدین، حدیث نمبر:1595

18۔ سورۃ المائدہ (5) آیت نمبر:5

19۔ محمد کرم شاہ، تفسیر ضیاء القران، جلد اول، ص:442-443

20۔ اوج، محمد شکیل، نسائیات، کراچی، فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ کراچی، طبع اول، جون 2012ء) ص:100

21۔ سورۃ النور (24) آیت نمبر:3

22۔ تفہیم القرآن جلد: سوم، (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، دسمبر 1997ء) ص:345-346

23۔ سورہ بنی اسرائیل (17) آیت نمبر: 32
24۔ سورۃ الفرقان (25) آیت نمبر: 68
25۔ سورۃ المائدہ (5) آیت نمبر: 6
26۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: 897
27۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: 877
28۔ سورۃ الاعراف (7) آیت نمبر: 31
29۔ سنن ترمذی، جلد دوم، (لاہور ضیاء القران پبلی کیشنز، بار سوم، اکتوبر، 2015ء) باب: مَا جَآءَ مَا يُطعَمُ المَرِيضُ، حدیث نمبر: 1962
30۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: 247
31۔ سنن نسائی مترجم مولانا فضل احمد (کراچی، دارالاشاعت، نومبر 2008ء) جلد اول، کتاب الطہارت، حدیث نمبر: 9، ص: 25
32۔ صحیح بخاری، کتاب: جمعہ کے بیان میں، باب: جمعہ کے دن مسواک کرنا، حدیث نمبر: 887
33۔ مسند امام اعظمؒ، مترجم دوست محمد شاکر، (لاہور، فرید بک اسٹال، اکتوبر 2012ء) کتاب الطہارۃ، حدیث: 48، ص: 80
34۔ صحیح مسلم جلد دوم، لاہور، خالد احسان پبلی کیشنز، اگست 2004ء) ص: 132، حدیث نمبر: 1248
35۔ صحیح مسلم جلد دوم، ص: 133، حدیث نمبر: 1253
36۔ مسلم الصحیح، کتاب الطہارۃ، باب السواک، 1: 220، رقم: 253
37۔ بخاری شریف مترجم جلد اول، (لاہور، فرید بک اسٹال، الطبع الرابع، جولائی 2009ء) حدیث نمبر: 211، ص: 190
38۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: 162
39۔ غزالی، امام محمد، کیمیائے سعادت (کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، اشاعت اول، جنوری 1986ء) ص: 145
40۔ غزالی، ، کیمیائے سعادت، ص: 146
41۔ سنن ابی داؤد، جلد اول، (لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ایڈیشن سوم، فروری 2015ء) کتاب الطہارۃ، رقم: 36) ص: 46
42۔ سنن ابی داؤد، جلد اول، کتاب الطہارۃ، رقم: 39، ص: 47

43۔سنن ابی داؤد، جلد اول، کتاب الطہارۃ، رقم:22، ص:41

44۔مسند امام اعظمؒ مترجم، کتاب الطہارۃ، حدیث:45، ص:79

45۔سورۃ البقرۃ(2) آیت نمبر:222

46۔محمد کرم شاہ، تفسیر ضیاء القران، جلد اول، ص:152۔153

47۔سنن ترمذی جلد سوم،(لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ایڈیشن سوم، اکتوبر2015ء) رقم:31

48۔سورۃ المدثر(74) آیت نمبر:4

49۔سورۃ التوبہ(9) آیت نمبر:108

50۔سنن ترمذی جلد سوم، رقم:66

51۔بخاری شریف مترجم جلد اول،(لاہور، فرید بک اسٹال، الطبع الرابع، جولائی2009ء) کتاب الوضو، حدیث نمبر:227

52۔بخاری شریف مترجم جلد اول، کتاب الوضو، حدیث نمبر:222،

53۔سورۃ الحج(22) آیت نمبر:6

54۔سورۃ البقرۃ(2) آیت نمبر:125

55۔ابن کثیر، حافظ عماد الدین، تفسیر ابن کثیر اردو(پارہ5)،(کراچی، نور محمد کتب خانہ، سن ندارد)، ج:1، ص:51

56۔بخاری شریف مترجم جلد اول، حدیث نمبر:220، ص:193۔192

57۔ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر اردو(پارہ3)، ج:1، ص:68

58۔منصور پوری، محمد سُلیمان سَلمان، قاضی، رحمۃ اللعالمین،(کراچی، دارالاشاعت، ذی الحجہ1411ھ) جلد اول، ص:283

59۔جامع ترمذی جلد دوم،(لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ایڈیشن سوم، اکتوبر2015ء) باب ماجاء فی النظافۃ، رقم:2723

60۔ صحیح مسلم جلد دوم، لاہور، خالد احسان پبلی کیشنز، اگست2004ء) ص:128، حدیث نمبر:1231

61۔ صحیح مسلم جلد دوم، ص:132، حدیث نمبر:1233

62۔سورۃ المزمّل(73) آیت 1 تا7

63۔ صحیح بخاری، باب :انبیاء علیہم السلام کا بیان، عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا بیان، حدیث نمبر:3775

64۔اعظمی، عبد مصطفیٰ، سیرت مصطفیٰ،(لاہور، فرید بک اسٹال، سن ندارد) ص:523

65۔نعمانیؒ، علامہ شبلی، سیرت النبی(لاہور، نیشنل بک فاؤنڈیشن پاکستان، طبع سوم1985) جلد اول، ص:307۔308

66۔ صحیح بخاری ،حدیث نمبر :5624

67۔مسلم الصحیح ، باب غَطُّوْا الإِنَاءَ وَ أَوْكُوا السِّقَاءِ،رقم:1282

68۔سورۃالبقرۃ:(2)آیت نمبر:168

69۔سورۃالاعراف(7)آیت نمبر:31

70۔ صحیح بخاری، کتاب الوضو، حدیث نمبر:235

71۔ مُسنَد امام احمد بن حنبل مترجم،(لاہور، مکتبہ رحمانیہ، سن ندارد)مُسنَد ابی ھریرہ، حدیث نمبر:7152، جلد چہارم، ص:10

72۔ صحیح بخاری، کتاب مشروبات کے بیان میں، باب مشک سے منہ لگا کر پانی پینا، حدیث نمبر:5628

73۔ صحيح البخاري، كِتَابُ الوُضُوءِ(بَابُ النَّهْيِ عَنْ الِاسْتِنْجَاءِ بِاليَمِينِ)رقم:153

74۔ سنن ابی داؤد، جلد اول،(لاہور، ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، ایڈیشن سوم، فروری2015ء)کتاب الطہارۃ، رقم:24)ص:41۔42

75۔ مسند امام اعظمؒ مترجم، کتاب الطہارۃ، حدیث:42، ص:72

76۔ سنن ابی داؤد، جلد اول، کتاب الطہارۃ، رقم:2،)ص:33

77۔ سنن ابی داؤد، جلد اول، کتاب الطہارۃ، رقم:25)ص:42

78۔ فراہی، حمید الدین، مجموعہ تفاسیر فراہی(لاہور، انجمن خدام القرآن،1973)، ص:390

79۔ فراہی، مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:395

80۔ نعمانیؒ، سیرت النبی، جلد اول، ص:307

81۔ سورۃالحج(22)آیت نمبر:32۔33

82۔ مسلم الصحیح، جلد سوم،(لاہور، ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، بار سوم، اگست2017)حدیث نمبر:4010، ص:175۔176

83۔ البخاری فی الصحیح، کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان، الرقم:9

84۔صحيح البخاري :كِتَابُ العِلْمِ (بَابُ رَفْعِ العِلْمِ وَظُهُورِ الجَهْلِ)رقم:80

قرآن وسیرت طیبہ کی روشنی میں اسلامی صحافت وابلاغ کا اصلاحی مطالعہ

ڈاکٹر محمود عالم آسی
(AIOU ممبر وزیٹنگ فیکلٹی)

Abstract:

"In the first revelation of the Holy Qur'an through Sahib-e-Qur'an, the message of communication is found that "Read". Allama Iqbal says while commenting on it poetically.

حیرت ہے کہ تعلیم و ترقی میں ہے پیچھے
جس قوم کا آغاز ہی اقراء سے ہوا تھا

After explaining the purpose and purpose of Adam's creation, it was said while describing the creation of Madaraj, Allah made the pen a means of learning knowledge. Therefore, the pen is an instrument of familiarization of knowledge, and all the authors are transferred from this instrument to the form of journalism and books and they become a means of communication.

Zaraye iblagh" to all the means by which we convey our message to others. "Zaraye iblagh" in". Urdu and "media" in English.

By equipping contemporary mass media and journalism in the light of Quran and Surah Tayyaba with all positive and constructive thought, the longing for an Islamic righteous journalism and communication can be fulfilled. This powerful bull can be used as a support for the cultivation of peace and security, if it is left unrestrained by the pure boundaries of the Qur'an and Hadith and Sirat-e-Taiba, then it will not be academic justice and honesty".

صاحب قرآن کے توسط سے قرآن کی پہلی وحی میں ہی اللہ کا یہ پیغام ملتا ہے کہ "پڑھ" علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کا شاعرانہ ابلاغ اور تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حیرت ہے کہ تعلیم و ترقی میں ہے پیچھے

جس قوم کا آغاز ہی اقراء سے ہوا تھا

تخلیق آدم کا غرض و بیان فرما کر، مدارج تخلیق بیان کرتے ہوے فرمایا گیا، اللہ نے قلم کو علم سیکھنے کا ذریعہ بنایا، لہذا قلم علم کی واقفیت کا ایک آلہ ہے، اور سارے مصاحف اس آلہ ہی سے صفحات و کتاب کی صورت میں منتقل ہوتے ہیں، اور ابلاغ کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ذرائع ابلاغ کا کردار:

ذرائع ابلاغ سے مراد وہ تمام ذرائع ہیں جن کی مدد سے ہم اپنی بات دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ اردو میں ذرائع ابلاغ اور انگریزی میں اسے میڈیا کہتے ہیں۔(آزاد دائرۃ المعارف، ویکی پیڈیا)

"ابلاغ" عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی پہنچانا ہے۔(1)

اسلامی روایت میں اسی مادہ سے لفظ "تبلیغ" ہے، جو کسی اچھی بات اور بالخصوص دینی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ رسول اکرم کو حکم ہوا:

ترجمہ: اے رسول ﷺ آپ کے پروردگار کے پاس سے جو کچھ آپ ﷺ کی طرف اترا ہے، اسے پہنچایئے، اگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا تو آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور آپ ﷺ کو اللہ لوگوں سے بچائے گا۔(2)

قرآن نے "ابلاغ" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، جو "ابلاغ" یعنی پیغام پہنچا دینے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے ترجمہ: اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کھول کر پہنچا دینا ہے۔(3)

"ابلاغ" اپنے مفہوم کے لحاظ سے عام ہے اور اس میں دینی یا غیر دینی اچھی یا بری بات کی کوئی قید نہیں۔ مطلق پہنچانا ہے، کوئی پیغام، کوئی بات اور کوئی خبر بھی "ابلاغ" کا موضوع بن سکتی ہے، جب کسی بات، خبر یا پیغام کو عام لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام کیا جاتا ہے، تو وہ "ابلاغ عامہ" کہلاتا ہے۔(4)

قرآن پاک میں لفظ "ابلاغ" اپنی کئی صورتوں میں کئی بار استعمال ہوا ہے، مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، وہ لوگوں تک پہنچا دو(5)(المائدہ)

ایک موقع پر فرمایا گیا:

ترجمہ: ہم پر صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔(6)

قرآن کریم کے بارے میں فرمایا گیا: ترجمہ (یہ لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے۔(7)

ایک موقع پر فرمایا گیا: ترجمہ (جب وہ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا۔(8)

ایک اور مقام پر فرمایا گیا: ترجمہ (تم پر صرف بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔(9)

"ابلاغ" عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی پہنچانا ہے۔ اسلامی روایت میں اسی مادہ لفظ "تبلیغ" ہے، جو کسی اچھی بات اور بالخصوص دینی بات دوسری تک پہنچانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا۔ ترجمہ (اے رسول ﷺ آپ ﷺ کے پروردگار کے پاس سے جو کچھ آپ کی طرف اترا ہے، اسے پہنچایئے، اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور آپ کو اللہ لوگوں سے بچائے گا۔ قرآن نے "ابلاغ" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، جو "ابلاغ" یعنی پیغام پہنچا دینے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔(10)

ارشادِ ربانی ہے: ترجمہ: اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمّے تو صرف پیغام کھول کر پہنچا دینا ہے۔(11)

"ابلاغ" اپنے مفہوم کے لحاظ سے عام ہے اور اس میں دینی یا غیر دینی اچھی یا بری بات کی کوئی قید نہیں۔ مطلق پہنچانا ہے، کوئی پیغام، کوئی بات اور کوئی خبر بھی "ابلاغ" کا موضوع بن سکتی ہے، جب کسی بات خبر یا پیغام کو عام لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام کیا جاتا ہے، تو وہ "ابلاغ عامہ" کہلاتا ہے۔(12)

قرآن پاک میں لفظ "ابلاغ" اپنی کئی صورتوں میں کئی بار استعمال ہوا ہے، مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ (اے پیغمبر ﷺ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، وہ لوگوں تک پہنچا دو)۔(13)

ایک موقع پر فرمایا گیا: ترجمہ: ہم پر صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔(14)

قرآن کریم کے بارے میں فرمایا گیا: (ترجمہ) یہ لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے۔(15)

ایک اور مقام پر فرمایا گیا: ترجمہ: (تم پر صرف بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔(16)رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیے جاتے تھے اور میں تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔(17)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اس امر کا واضح بیان ہے کہ اب رسالت و نبوت کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا، دین مبین کی تکمیل کر دی گئی، البتہ دین کی تبلیغ و اشاعت اور اس کا ”ابلاغ“ اب امت کا دینی اور اجتماعی فریضہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ”خطبۂ حجۃ الوداع“ کے تاریخ ساز موقع پر اس امر کی نشاندہی فرمادی تھی کہ اب دین کی تبلیغ امت کی ذمے داری اور ان کا دینی فریضہ ہے۔

خاتم الانبیاء، حضرت محمد مصطفی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے تاریخ ساز خطبے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”الا ھل بلغتُ؟“ کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہ، حاضرین نے جواب دیا! ہاں۔ بعد ازاں رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو حاضر ہیں، وہ میرا پیغام ان لوگوں تک پہنچادیں، جو غائب (یہاں موجود نہیں) ہیں۔“(18)

رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یقیناً آپ ﷺ کی امت کو یہی وصیت ہے کہ: موجود لوگ غیر حاضر لوگوں تک آپ ﷺ کی تعلیمات کا ابلاغ کر دیں، آپ ﷺ کا پیغام پہنچادیں۔“(19)

آپ ﷺ کا یہ پیغام ابدی اور آفاقی ہے۔ اسلام کا پیغام عالم انسانیت تک پہنچانے کے لیے جدوجہد کرنا اور دین کی دعوت کا ابلاغ امت کا دینی اور اجتماعی فریضہ ہے۔

... اسلام کا نظریہ ابلاغ: قرآنی آیات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے سب سے پہلے ”ابلاغ“ کا تصور پیش کیا، تخلیق آدم کے وقت ربّ کائنات اور فرشتوں کے درمیان ہونے والی بات چیت کا پہلا مکالمہ یعنی: ترجمہ ”اور جب کہا تمہارے رب نے فرشتوں سے کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔“(20)

یہ عمل ”ابلاغ“ کی پہلی صورت تھی، پھر جب حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے تمام اشیاء کے نام بتائے۔ تو گویا یہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے پہلے انسانی عمل ”ابلاغ“ کا آغاز تھا۔

اس حوالے سے قرآن کریم میں فرمایا گیا: ترجمہ (اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، پھر آدم علیہ السلام نے ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا)۔(21)

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جو سلسلۂ نبوت جاری ہوا تھا، ہر نبی نے حق و صداقت کے ابلاغ اور دین مبین کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام دیا اور اس فریضے کی ادائیگی میں اپنے عہد کے تمام ممکنہ اور میسر ذرائع ابلاغ (تحریر و تقریر وغیرہ) استعمال کیے۔ اللہ نے جب حضرت آدم کو تخلیق کیا تو اس کے نزدیک مقصد یہ تھا کہ یہ میری بندگی کرے گا اور میرا پیغام مخلوق تک پہنچائے گا، اسی طرح دنیا کے پہلے انسان کو سب سے پہلے "ابلاغ" کا فریضہ ہی سپرد کیا گیا، بعد میں آنے والے تمام انبیائے کرام اور پھر نبی آخر الزماں، پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ذمہ داری اللہ کی طرف سے یہی تھی کہ وہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں، اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو اسلام کا نظریۂ ابلاغ" سب سے پہلا "نظریہ ابلاغ" ہے اور یہ ابلاغ ہی مقصد انسانیت ہے۔(22)

انسانی ابلاغ کا آغاز تخلیق آدم ہی سے ہوا اور یہ کہ ابلاغ کی تاریخ دراصل انسانی فکر و عمل کی تاریخ ہے، قرآن پاک ہمیں یہ بتاتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس کی تخلیق ربّ کائنات کی صناعی کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ترجمہ (ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتداء کی، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو)۔

"اسلام کے نظریہ ابلاغ کی ابتداء (تخلیق آدم کے عقیدے کے مطابق) حضرت آدم کے فرشتوں کے مقابلے میں فہم و فراست اور دانش کا علمبردار ہونے سے ہوتی ہے، انسان اپنی اس فہم و فراست اور ادراک و شعور کی دولت سے بہرہ ور ہونے کی بدولت مسجودِ ملائک ٹھہرا تھا۔"(24)

قرآن حکیم میں سورۂ یٰس میں ارشاد ہوا: "وما علینا الا البلاغ المُبین" یہ ابلاغ کیا ہے؟ ابلاغ دعوت دین گویا حضور اکرم ﷺ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے کے بعد ان کے ہر امتی کو داعی دین کا کردار دے کر اسے فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کا مکلف کر کے سلسلۂ تبلیغ و دعوت کو جاری و ساری رکھا گیا۔ جب دعوتِ دین کا ابلاغ ہر مسلمان کی ذمے داری اور فرض ہے تو مسلمانوں کے لیے ذرائع ابلاغ کو سمجھنا، ان سے تعلق رکھنا اور دعوت دین کو پھیلانے کے عمل میں ان ذرائع ابلاغ کی قدر و قیمت اہمیت اور دعوتی کام کے ضمن میں ان ذرائع کی نتیجہ خیزی کے امکانات پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

"ابلاغ" کے عمل میں ذرائع کی اہمیت کی تفہیم کے لیے بجائے خود اس سوال کو زیر غور لایا جاسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام ابلاغ کیا تھا اور انہوں نے دین کی دعوت پیش کرنے کے لیے کن ذرائع کو اختیار کیا۔(25)

قرآن کریم کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ "ابلاغ و پیغام" کی ذمے داری اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر دور کے انبیائے کرام کو سونپی گئی اور آخر کار نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے بعد یہ ذمے داری پوری امتِ مسلمہ پر عائد ہوگئی۔ اسلام کا ابلاغ و پیغام انبیائے کرام نے اپنے رب کی جانب سے مشن کے طور پر انسانیت کے سامنے پیش کیا۔ پروفیسر مہدی حسن لکھتے ہیں کہ دعوت اور تبلیغ، اسلامی نظریے کا امتیاز رہا ہے اور اسلام کے ظہور کے بعد قلیل مدت میں اس نظریے کا تمام دنیا میں پھیل جانا، اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان مؤثر "ابلاغ" کے طریقوں سے واقف تھے۔(26)

قرآن مجید کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ "ابلاغ و تبلیغ دین" کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر دور کے انبیائے کرام کو سونپی گئی اور آخر کار اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے بعد یہ ذمہ داری پوری امتِ مسلمہ پر عائد ہوگئی۔ اسلام کا ابلاغ و پیغام انبیائے کرام نے اپنے رب کی جانب سے مشن کے طور پر انسانیت کے سامنے پیش کیا۔ اس مشن میں اللہ تعالیٰ کے کسی محبوب پیغمبر نے نقد جان ہار دی تو کسی نے مسلسل ساڑھے نو سو سال تک انتہائی خطاب کیا۔ ترجمہ: (اے میری قوم، تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے وہ کچھ بتایا گیا ہے جو تمہیں معلوم نہیں ہے۔(27)

ایک اور موقع پر بیان ہوا: ترجمہ: (میں صرف وہ پیغام پہنچا رہا ہوں، جسے مجھے دے کر بھیجا گیا ہے۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ جہالت برت رہے ہو۔(28)

"سورہ ہود" میں حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو متنبہ کرتے ہوئے کہا: ترجمہ: (اگر تم منہ پھیرتے ہو تو پھیر لو، جو پیغام دے کر میں تمہارے پاس بھیجا گیا تھا، وہ تم کو پہنچا چکا ہوں۔ اب میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو اٹھائے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگراں ہے۔(29)

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم سے اس طرح مخاطب ہیں: ترجمہ (اے میری قوم! میں نے اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور میں نے تمہاری بہت خیر خواہی کی، مگر میں کیا کروں تمہیں اپنی خیر خواہی پسند ہی نہیں۔(30)

ترجمہ (اور اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے اس طرح خطاب فرمایا جھٹلاتے ہو تو تم سے پہلے بہت سی قومیں جھٹلا چکی ہیں اور رسول پر صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے)۔(31)

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا اے برادرانِ قوم! (ترجمہ) میں نے اپنے رب کے لئے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیے اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔(32)

اب میں اس قوم پر کیسے افسوس کروں جو قبولِ حق سے انکار کرتی ہے۔(33) سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ سے مخاطب ہیں: ترجمہ: (تم پر پیغام پہنچانے کی ذمہ داری تھی، آگے اللہ خود بندوں کے معاملات دیکھنے والا ہے۔)(34)

ارشادِ ربانی ہے: ترجمہ (اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور باز آجائو۔ لیکن اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر بس صاف صاف پیغام پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی۔(35)

اللہ عزو جل کا ارشاد ہے: ترجمہ (رسول پر تو صرف پیغام پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، آگے تمہارے کھلے اور چھپے سب حالات کا جاننے والا اللہ ہے۔(36)

قرآن کریم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا: ترجمہ (بہر حال تمہارا کام صرف پیغام پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔)(37)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا گیا کہ ترجمہ: (اے نبی آپ ﷺ پر صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔(38)

جب کہ "سورۂ نور" میں منافقین پر واضح کیا گیا ہے: ترجمہ (اور رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ صاف صاف پیغام پہنچا دے۔(39)

قریش مکہ کے ظلم اور زیادتیوں کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ترجمہ (اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو اے نبی! ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے۔) الشوریٰ 48۔

آپ پر تو بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔(40)

ارشاد ربانی ہے: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، لیکن اگر تم اطاعت سے منہ موڑتے ہو تو ہمارے رسول پر صاف صاف پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔(41)

"سورۂ ابراہیم" میں قرآن مجید کے متعلق فرمانِ الہیٰ ہے۔ ترجمہ: یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے اور بھیجا گیا ہے، اس لیے کہ ان کو اس کے ذریعے خبر دار کر دیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آ جائیں۔(42)

ابلاغ عامہ اور دین کی دعوت و تبلیغ اور اس کے ابلاغ کا یہ وہ تصور ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری الہامی کتاب میں انسانیت کو دیا ہے۔ اسلامی معاشرے میں ابلاغ و تبلیغ سے نیکی، طہارت و پاکیزگی اور تقدس و احترام کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اس کے ذریعے ذہن میں نیک عمل، اچھی بات اور خیر و فلاح کا تصور ابھرتا ہے۔(43)

انسان اور ابلاغ دراصل لازم و ملزوم ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق میں اس کا بہترین انتظام کیا ہے، تاکہ انسان اللہ کی خلاقیت و صناعی کا بہترین مظہر بن جائے۔ انسان کو ابلاغی قوت و صلاحیت اس لیے عطا کی گئی ہے کہ فرشتوں نے اس کی لیاقت اور نیابت الہی پر اعتراض کیا تھا اور ابلیس نے تو اس کو سجدہ کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ وہ اپنے مقابلے میں حقیر مٹی سے بنے ہوئے آدم کو کیوں سجدہ کرے، جب کہ اسے آگ سے بنایا گیا ہے۔ لیکن خالق حقیقی نے یہ دلیل مسترد کر کے ابلیس کو راندہ درگاہ کر کے مردود قرار دیا اور اپنی خلافت و نیابت آدم کے سپرد کر دی۔ یہ انسان کی ابلاغی سرشت و صلاحیت تھی جس نے اسے نیابت الہی سے مشرف کیا۔

مسلمانوں کے عقائد کے مطابق یہی مکالمہ اولین ابلاغ، مابین بندہ و خالق ہے اور اس مکالمہ کا مکان انسانی زبان ہے اور زبان انسانی حواس خمسہ کی مدد سے گویائی پاتی ہے، انسانی احساسات، جذبات اور خیالات اسی زبان کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے درمیان اظہار کا وسیلہ بن جاتے ہیں اگرچہ حیوانات میں بھی اظہار کی کچھ نہ کچھ نقلی صلاحیت پائی جاتی ہے جو اپنی جبلتوں میں اسیر ہونے کے باوجود اپنی حرکات و سکنات سے اپنے بارے میں کچھ نہ کچھ ابلاغ ضرور کرا دیتے ہیں، لیکن تعبیر و

تشریح، توضیح و استدلال منطق و کلام اور تنقید و استرداد کی صلاحیتیں ان میں بدرجہ کمال موجود نہیں یہ صرف انسان کا طرۂ امتیاز ہیں۔(44)

عصر حاضر میں جب ابلاغ عام کا پھیلاؤ ہوا اور جامعات کی سطح پر تدریسی ضرورتیں بڑھیں تو عمرانی ارتقاء کے حوالے سے ابلاغ عامہ کی تاریخ پر توجہ صرف کی گئی اور اس کے علمی آثار کی تلاش و جستجو کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ ابلاغ کے آغاز و ارتقاء کی علمی اور تاریخی حقیقت ہے۔(45)

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا معاشرہ ایسی برائیوں پر قائم تھا جو تمام امم سابقہ کی سرکشی اور گناہوں کا مرقع تھا۔ ان تمام رذائل کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضابطۂ اخلاق کے تحت شمائل و خصائل اور محاسن میں بدل دیا اور معاشرے سے بے راہ روی، بے حیائی اور فواحش و منکرات ناپید ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ابلاغ حق اور تبلیغ کے ذریعے عصبیت کے اوثان اور تعصب کے اصنام پاش پاش کر دیے اور پھر ایسا معاشرہ تشکیل کیا جس کا مقابلہ عملی لحاظ سے ارسطو کا یوٹوپیا بھی نہ کر سکا۔(46)

دورِ جدید میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت و افادیت ماضی کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہو گئی ہے، اس بات کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور میں تمام تر عالمی ترقی و خوش حالی، سائنسی تحقیقات اور ایجادات کا علم ہمیں ذرائع ابلاغ ہی کے تعاون سے حاصل ہوا ہے۔ آج تمام ملکی و غیر ملکی واقعات اور خبریں ہمیں ذرائع ابلاغ سے موصول ہوتی ہیں۔ دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ چوبیس گھنٹے مصروفِ عمل رہتے ہیں اور دن رات عوام تک خبریں، اطلاعات اور تفریحی پروگرام پہنچانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں، ذرائع ابلاغ کی ترقی، ہمہ گیری اور برق رفتاری کا یہ عالم ہے کہ ہم مصنوعی سیارے کے ذریعے گھر بیٹھے ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں رونما ہونے والے واقعات براہِ راست دیکھ سکتے ہیں۔ موبائل فون کا میموری کارڈ، سی ڈی، ڈی وی ڈی میں اطلاعات اور تعلیم و تحقیق کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ اور منتقل کیا جا سکتا ہے۔ ابلاغ کی ترقی نے دنیا کو اتنا سمیٹ دیا ہے کہ اب کرۂ ارض پر وقوع پزیر ہونے والا کوئی بھی واقعہ منٹوں میں ہمیں پتہ چل جاتا ہے۔ ابلاغ عامہ کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے مغربی ممالک نے اسے باقاعدہ ایک سائنس کا درجہ دیا اور ذرائع ابلاغ کے مختلف شعبوں میں مزید تحقیقات کی جا رہی ہیں۔

قوم کو اندرونی خطرات و حالات سے باخبر رکھنے کا فریضہ ہو، شہریوں میں مختلف مسائل پر اجتماع یا اتفاق رائے پیدا کرنے کا عمل، نئی نسل کو ان کی درخشاں قومی روایات سے بہرہ مند کرنا ہو، عہد جدید

کے تقاضوں کا احساس دلانا مقصود ہو یا کھیل اور تفریح کے ذریعے تھکے ہوئے جسموں اور ذہنوں کی آسودگی کا سامان بہم پہنچانا ہو۔ ذرائع ابلاغ پر انحصار ناگزیر عمل ہے۔ تمام معاشرے اپنے اپنے امتیازات کے ساتھ اس عمل میں شریک و سرگرم ہیں۔ جس طرح بیسویں صدی کے نصف اول کو ہلاکت آفریں اسلحہ اور حیات بخش ادویہ کی ایجادات سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس صدی کو ابلاغ و اطلاعات کے پھیلاؤ کے دور سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، جس کے باعث کرۂ ارض کو ابلاغ کے اعتبار سے اب ایک آفاقی گاؤں قرار دیا جاتا ہے۔

"ذرائع ابلاغ" نے انسانی زندگی کو نئی رفتار اور نئی معرفت عطا کی ہے، انسان کو گردوپیش کا شعور دیا ہے اور زندگی کے مسائل کی نقاب کشائی کی ہے۔ اگر غور کریں تو دورِ حاضر کی تمام تر علمی ترقی و خوش حالی، سائنسی ایجادات اور علمی تحقیقات کا ادراک انہی ذرائع سے حاصل ہوتا ہے۔ سیٹلائٹ کی ایجاد نے پوری دنیا کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ دنیا میں رونما ہونے والے تمام حوادث و واقعات ٹیلی ویژن اسکرین پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ "ذرائع ابلاغ" نے معلومات اور آگہی میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ اس وقت دنیا میں ہزاروں اخبارات و رسائل اور لاکھوں جرائد و کتب شائع ہوتے ہیں، ٹرانسسٹر کے ذریعے تمام دنیا کی "ذرائع ابلاغ" نے انسانی زندگی کو نئی رفتار اور نئی معرفت عطا کی ہے، انسان کو گردوپیش کا شعور دیا ہے اور زندگی کے مسائل کی نقاب کشائی کی ہے۔ اگر غور کریں تو دور حاضر کی تمام تر علمی ترقی و خوش حالی، سائنسی ایجادات اور علمی تحقیقات کا ادراک انہی ذرائع سے حاصل ہوتا ہے۔ سیٹلائٹ کی ایجاد نے پوری دنیا کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ دنیا میں رونما ہونے والے تمام حوادث و واقعات ٹیلی ویژن اسکرین پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ "ذرائع ابلاغ" نے معلومات اور آگہی میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ اس وقت دنیا میں ہزاروں اخبارات و رسائل اور لاکھوں جرائد و کتب شائع ہوتے ہیں، ٹرانسسٹر کے ذریعے تمام دنیا کی خبریں سنی جاسکتی ہیں اور پوری دنیا کا منظر نامہ پیش کیا جاسکتا ہے، کیبلز، سیٹلائٹ اور انٹرنیٹ نے تمام اطلاعات، معلومات اور ابلاغی سرگرمیوں کو سمیٹ کر ہمارے دامن میں لا ڈالا ہے۔ اطلاعات، معلومات اور تفریح کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے، جس سے آج کا انسان متمتع ہو رہا ہے۔ ان کی افادیت مسلّم ہے، لیکن ایک منفی پہلو بھی ہے، جسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور وہ ہے مخصوص مفادات کے حصول کے لیے ان کا استعمال۔ (مغربی ذرائع ابلاغ موجودہ دور میں یہی کردار ادا کر رہا ہے، وہ مادر پدر آزاد اور لادینیت پر

مبنی مغربی تہذیب و ثقافت کو عالمی تہذیب و ثقافت کے طور پر متعارف کرانے اور اسلام دشمنی میں اپنا منفی کردار ادا کر رہا ہے) آج رائے عامہ کو متاثر کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا جاتا ہے۔ لوگوں کی ذہنی تغسیل کے لیے "ذرائع ابلاغ" کو ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ کو فحاشی اور بد اخلاقی پھیلانے کے لیے بھی استعمال کیا جا رہا ہے، جو معاشروں کی عمومی اخلاقی فضا کو تباہ کرنے کا ایک مہلک طریقہ ہے۔ دنیا کی طاقتور لابیاں اپنے مذموم مقاصد کے لیے ذرائع ابلاغ کو ڈھٹائی سے استعمال کر رہی ہیں اور اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب ہیں۔ ان کے بغیر کسی مہذب معاشرے کا تصور ممکن نہیں۔ لہٰذا مغربی تہذیب اور ان کے نظریات ابلاغ کے سامنے بند باندھنے کے لیے ہماری ضرورت بلکہ ناگزیر ضرورت بنتی ہے کہ اس کے مقابل زیادہ مضبوط نظریات پورے اعتماد کے ساتھ پیش کیے جائیں، تاکہ ان نظریات کا توڑ ہو سکے۔ تب ہی یہ معلوم ہو گا کہ امتِ مسلمہ اپنے آپ کو ایک غالب اور زندہ و جاوید قوم کی حیثیت سے منوا سکتی ہے۔

قرآن و حدیث میں نہایت واضح طور پر "ابلاغ" کے ان اصولوں اور طریقوں کا بیان موجود ہے۔ مثلاً: ترجمہ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے۔) سورۃ النحل / ۱۲۵ قرآن کریم(47)

حدیث نبوی میں بھی ایسے اصول بار بار بیان کر دیے گئے ہیں، جو اسلامی نظریۂ ابلاغ کی عکاسی کرتے ہیں، نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بے مثال خطابات کے ذریعے اسلام کے فروغ کا کام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فن خطابت کو عربوں کے ضمیر کو جگانے اور ان کے احساسات کو جھنجھوڑنے کے لیے استعمال کیا اور ان تک اللہ کا پیغام پہنچایا۔ چناں چہ خطبات کو اسلامی تہذیب میں ایک ادارے کی حیثیت حاصل ہے اور آج بھی ایک خطیب، اسلامی معاشرے میں اہم مقام رکھتا ہے اور ہر عہد کے اجتماعات میں خطبات دینی اور مذہبی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کی اشاعت اور اپنے پیغام کی ترسیل کے لیے کسی ایک درجہ یا ایک طریقۂ ابلاغ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ضرورت اور مواقع کی مناسبت سے آپ نے اپنے دور کے تمام میسر ذرائع ابلاغ کا بھرپور استعمال کیا اور ابلاغ کار کی حیثیت سے یہ عمل بجائے خود ایک پیغمبرانہ معجزہ تھا کہ ابلاغ اور مواصلت کے آج کے سے زور اثر رفتار ذرائع میسر نہ ہونے کے باوجود وہ بہت محدود

کارکردگی کے میسر ذرائع کو ایسی مہارت، ہنر مندی اور محنت و لگن کے ساتھ بروئے کار لائے کہ اپنی زندگی میں اپنے پیغام کو جزیرۃ العرب کی جغرافیائی حدود عبور کرا کے افریقہ، یورپ اور جنوبی و سطی ایشیا تک پہنچا دیا۔ یہ کیسی حیرت انگیز کامیابی تھی کہ نقل و حمل اور مراسلت کے تیز رفتار اور آرام دہ ذرائع کی غیر موجودگی میں آپ کو حجۃ الوداع کے موقع پر دور دراز سے آئے ہوئے سوا لاکھ سے زائد مسلمانوں کا اجتماع خطاب عام کے لیے میسر آگیا اور خطاب کے ایسے جدید وسائل "پبلک اڈرس سسٹم" کے نہ ہونے کے باوجود کہ جن سے آج ہم متعارف اور مانوس ہیں، آپ نے سوا لاکھ سے زائد افراد کے اس اجتماع سے اس طرح خطاب کیا کہ آپ کا پیغام نہ صرف اس اجتماع میں شریک ہر فرد نے پوری صحت کے ساتھ وصول کیا بلکہ اس کی ترسیل بعد کی نسلوں تک جاری و ساری رہی نبی اکرم ﷺ نے غیر معمولی ابلاغی ذہانت و مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بڑی منظم تدریج کے ساتھ اپنے پیغام کی ترسیل و اشاعت کے لیے ابلاغ کے مختلف ذریعے اور طریقے آزمائے۔(48)

بنی نوع انسان کی تہذیب، تعلیم، تربیت اور آموزش کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو انسان کو تعقل، تجزیے اور تفہیم کی صلاحیتوں سے مشرف کیا اور دوسری طرف انسان کی تربیت، تعلیم اور تہذیب کو صراط مستقیم پر استوار کرنے، اسے ہدایت ربانی سے سرفراز کرنے کے لیے نبوت کا منصب قائم کیا اور اس انتظام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہزاروں یا لاکھوں برس تک ایک ترقی پزیر تدریج کے ساتھ منصب نبوت کے توسط سے اپنی ہدایت بہم پہنچائی یہ ہدایت ربانی اصطلاحاً اسلام ہے، جس کا نزول حضرت آدم سے شروع ہو کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہوا۔ حضور اکرم ﷺ پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی ہدایت ختم نہیں ہو گئی، بلکہ حقیقتاً یہ اپنے کمال کو پہنچی۔ دین مکمل ہو کر بنی نوع انسان کے لیے تا ابد کافی قرار دیا گیا چناں چہ اس مرحلے پر نبوت کے منصب کا کردار ختم ہوا اور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم کیا گیا۔(49)

ہر نبی نے اپنی زندگی میں دو کام کیے، ایک یہ کہ بذریعہ وحی اللہ کے پیغام کو وصول کیا اور دوسرے یہ کہ اس پیغام کو اپنے زمانے میں اشاعت پیغام کے تمام مروجہ ذرائع استعمال میں لا کر بندوں تک پہنچایا۔ اللہ سے بذریعہ وحی پیغام کا وصول کرنا نبوت ہے اور اس پیغام کو بندوں تک پہنچانا دعوت و تبلیغ ہے۔ ہر نبی کی ذات میں نبی اور داعی و مبلغ کی دونوں حیثیتیں مجمع رہی ہیں۔ نبیوں نے اپنے مومنین اور صالحین کو

بھی اپنے کار تبلیغ و دعوت میں شریک کیا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب نبوت کا سلسلہ ختم کیا گیا تو اس موقع پر ہر امتی کے لیے تبلیغ و دعوت دین کے وظیفے کی انجام دہی کو لازم بھی ٹھہرایا گیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری بات اچھی طرح سن لو۔ تم میں سے جو حاضر ہے، اسے چاہیے کہ یہ باتیں غائب تک پہنچائے۔ شاید ان سے وہ جسے یہ پہنچیں، ان کا زیادہ محافظ ہو، بہ نسبت ان لوگوں کے جنہوں نے اسے یہاں سن لیا ہے۔ لوگو بتاؤ میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا، حاضرین جواب دینے لگے ہاں بے شک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے گئے، اے اللہ تو گواہ رہ اے اللہ تو گواہ رہ۔“

تبلیغ کی ذمے داری مسلمانوں کو محض حدیث نبوی ﷺ ہی کے ذریعے تفویض نہیں ہوئی بلکہ قرآن حکیم میں سورۂ یٰس میں ارشاد ہوا ہے: ”وما علینا الا البلاغ المبین“ یہ ابلاغ کیا ہے؟ ابلاغ دعوت دین گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت کو ختم کرنے کے بعد ان کے ہر امتی کو داعی دین کا کردار دے کر اسے فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کا مکلف کر کے سلسلہ تبلیغ و دعوت کو جاری و ساری رکھا گیا۔(50)

جب دعوت دین کا ابلاغ ہر مسلمان کی ذمہ داری اور فرض ہے تو مسلمانوں کے لیے ”ذرائع ابلاغ“ کو سمجھنا ان سے تعلق رکھنا اور دعوت کو پھیلانے کے عمل میں ان ذرائع ابلاغ کی قدر و قیمت، اہمیت اور دعوتی کام کے ضمن میں ان ذرائع کی نتیجہ خیزی کے امکانات پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ ”ابلاغ“ کے عمل میں ذرائع کی اہمیت کی تفہیم کے لیے بجائے خود اس سوال کو زیر غور لایا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام ابلاغ کیا تھا اور آپ ﷺ نے دین کی دعوت پیش کرنے کے لیے کن ذرائع کو اختیار کیا۔(51)

ابلاغ عامہ کے اسلامی تصورات کے مطابق اسلامی صحافت کا مقصد معاشرے کی اصلاح اور تعمیر ملت ہے اس کا دوسرا اصول یہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تلقین کی جائے اور برائی سے روکا جائے۔ چوتھا قوم کو صحیح اطلاعات سے آگاہ کیا جائے۔ ہوا کے رخ کے مطابق صحافی نہ چلے بلکہ وہ قوم کو سچائی کے ساتھ موقع دے کہ وہ حقیقت کی تہہ تک پہنچ سکے۔ اسلامی صحافت کا پانچواں اصول یہ ہے کہ فکر کی، حریت، فرد کی، حریت انسانیت کی قدر اور اس کا فروغ۔ اسلامی صحافت کا ایک اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس میں زرد صحافت کا قطعی طور پر کوئی تصور نہیں۔ اسلامی صحافت کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ یہ

بے حیائی سے روکتی اور شائستگی کی تلقین کرتی ہے۔ اسلامی صحافت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قول اور فعل میں تضاد نہ ہو، حق گوئی سے کام لیا جائے اور اچھی اقدار کا فروغ ہو۔ اس میں کمرشل ذہنیت کا کوئی تصور نہیں۔ اسلامی صحافت کا ایک اور اصول یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اسلام کی تعلیمات صحافت کے ذریعے لوگوں تک پہنچیں۔ اسلام میں مسجد کے ادارے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس منبر کی بڑی اہمیت ہے کیوں کہ اس میں جو بھی بیان ہو، جو بھی خطاب ہو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ اسلامی ابلاغ کا ایک اور مقصد اتحاد بین المسلمین ہے، مسلمانوں کے دلوں میں اخوت کا جذبہ ابھارا جائے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا ہر پہلو نہی عن المنکر اور امر بالمعروف سے متعلق تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے حق گوئی سے کام لیا، آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارکہ ہے کہ بہترین جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ تبلیغ کے دوران نبی اکرم ﷺ نے اس حد تک ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج رکھ دے تو پھر بھی میں اس مشن سے باز نہیں آؤں گا۔ چناں چہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں ہمیشہ حق گوئی سے کام لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مشکلات، مخالفت اور تمام رکاوٹوں کے باوجود استقامت سے کام لیا۔ آپ ﷺ ایک مصلح اعظم، مبلغ اعظم بن کر اور داعی الی الحق بن کر اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے۔

آپ ﷺ ایک "ممتاز سماجی مصلح" تھے۔ اسلامی صحافت کا ایک اصول یہ ہے کہ اس میں خدا کے حضور جواب دہی کا تصور ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور ہر انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "تم میں سے ہر شخص جواب دہ ہے اور تم میں سے ہر شخص اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔" بہ الفاظ دیگر ہر شخص پر فرائض اور ذمہ داریاں عائد ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پابندی عائد ہے اور کل اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے کس حد تک حق کا ساتھ دیا، کس حد تک تو نے برائی کو روکا۔ اسلامی صحافت میں ایک اور قابل قدر بات یہ ہے کہ اس میں یکجہتی اور اتحاد کا سبق دیا جاتا ہے۔ اس میں مفاد پرستی کا قطعی طور پر کوئی تصور نہیں۔ اگر صحافی حق گوئی سے کام لیتا ہے تو وہ ملک کی خاطر، دین کی خاطر، ملت کی خاطر یہ فریضہ ادا کرتا ہے، اس میں کسی فرد کی

بہتری کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا بلکہ اس میں اجتماعی بہتری کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ذاتی اغراض اہمیت کے حامل نہیں۔ ان میں اجتماعی پہلو دیکھا جاتا ہے۔ اجتماعی فوائد کی طرف دیکھا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا ضابطہ اخلاق اسلام کے اور اسلامی صحافت کی روح کے عین مطابق ہے۔ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے اور اس میں اہل قلم قافلے کو اسلامی صحافت کے نمایاں خدوخال کی پیروی کرنا ہوگی تاکہ ملک میں صحیح طور پر ملک وملت کی خدمت کی جاسکے۔(52)

"ذرائع ابلاغ" کسی بھی ملک اور قوم کے لیے بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ہر ملک کی تعمیر و ترقی استحکام وبقاء اور عظمتِ رفتہ کا انحصار ذرائع ابلاغ پر ہوتا ہے۔ ذرائع ابلاغ ملک و قوم کے لیے امین کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس امانت کی ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھنا ذرائع ابلاغ کا اولین فریضہ ہے۔ جہاں تک کسی قوم کے عقائد اور اس کے اخلاق و معاشرت کا تعلق ہے، اس کا ایک پہلو اگر تعلیم و تربیت پر مبنی ہے تو دوسرا پہلو ذرائع ابلاغ پر منحصر ہے۔

قرآن مجید اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کے اسلوب پر نظر ڈالتے ہوئے جو چیز سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ قوموں کے مزاج، ان کے اطوار اور حالات کو کسی خاص رخ پر لانے کے لیے حقائق کا بتانا، بار بار سمجھانا اور حقائق کے مطابق ان کے ذہن اور مزاج کو بنانا، قرآن مجید کا شروع سے آخر تک بنیادی موضوع ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی انہی قرآنی تعلیمات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ "ذرائع ابلاغ" کی بنیادی ذمہ داری قوم کے اخلاق و کردار کی اصلاح ہے۔ ملک و قوم کی تعمیر و ترقی اور اس کی اصل منزل کی جانب پیش قدمی اس کا اہم فریضہ ہے۔ اس لیے ملک کے "ذرائع ابلاغ" اس مملکت کے نظریہ اور مقصد کے تابع ہونے چاہئیں۔

اسلامی ریاست میں ذرائع ابلاغ کا کردار، رہنما اخلاقی اقدار اور اصولوں کا پابند ہوگا۔ جو فرد، ریاست اور ہر دوسرے ادارے پر عائد کی گئیں۔ ان کا حلقۂ اثر یقیناً اپنے اپنے وسائل و اختیارات کے لحاظ سے مختلف ہوگا، لیکن ان تمام سرگرمیوں کی سمت ایک ہی ہوگی۔ یعنی ہر حال میں خیر و بھلائی کا فروغ اور شر و فساد کا انسداد ہوگا۔

اسلامی ریاست کے ذرائع ابلاغ، درحقیقت اسلام کے فروغ و تحفظ، اس کے دفاع اور اس کے دشمنوں سے معرکہ آرائی کا ایک موثر ہتھیار ہیں، لیکن اس کی کاٹ صرف اسی صورت میں برقرار رہ

سکتی ہے، جب اس کی نیام قرآن و سنت کے سوا کچھ نہ ہو۔ اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بجائے اگر کچھ دوسرے ناعاقبت اندیش لوگ اپنی اطاعت کی زنجیروں میں جکڑ لیں یا پھر ان اداروں سے وابستہ لوگ، خود اپنے تحت کرنا چاہیں تو درج بالا اصولی باتیں از خود واضح ہو جاتی ہیں۔ ہاتھوں اور پیروں میں مادی مفادات اور عارضی مصلحتوں کی بیڑیاں ڈال کر حصولِ منفعت میں لگ جائیں تو اسلام کی یہ تلوار نہ صرف کند ہو جاتی ہے، بلکہ دشمنان اسلام کا آستین کے نیچے چھپا ہوا خنجر بن جاتی ہے۔

اسلام اپنے زیر اقتدار معاشرے میں تمام ذرائع ابلاغ کو مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی، صبغت اللہ یعنی اللہ کے رنگ میں رنگ دینے پر مامور دیکھنا چاہتا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہمارا بنیادی فریضہ یہی ہے کہ اسلامی اقدار کے تحفظ اور ان کے فروغ کے لیے ہم اپنے ذرائع ابلاغ کو ایک اعلیٰ اخلاقی کردار کا جزو اور اس کی تشکیل کا ذریعہ بنائیں۔ یہ اسی صورت میں پروان چڑھ سکتی ہیں جب آنکھوں کے اشارے ہوں یا جسم کی حرکات، قلم اور برش کی نوک ہو یا کیمرے کی آنکھ، ریڈیو کی آواز ہو یا ٹیلی ویژن کی اسکرین، اخبارات کے صفحات ہوں یا رسائل کے ٹائٹل، افسانے ڈرامے اور خبروں کے متن ہوں یا ان کی سرخیاں، ان سب سے معروف اور ناول ہوں یا اور منکر کا قرآنی ضابطہ اخلاق نافذ ہو اور رسمی و غیر رسمی تمام ذرائع ابلاغ اس مقصد کے تابع ہوں جس کی خاطر یہ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان معرض وجود میں آئی ہے۔(53)

اسلامی ریاست میں ذرائع ابلاغ کی سمت اور اس کے مقاصد کا تعیین کر دیا گیا ہے، ابلاغ کے معنی پھیلانے اور پہنچانے کے ہیں۔ اسلام نے طے کر دیا کہ پھیلانے اور پہنچانے کی چیز کردار ہے۔ ان کا (positive and promotive) صرف معروف ہے، یہ ان ذرائع کا دفاعی اور حفاظتی کردار یہ ہے کہ منکرات کو دبانے اور مٹانے کا فریضہ سرانجام دیں۔ اسلامی اقدار پر جس سمت کا حملہ ہو اس کا منہ توڑ جواب دیں۔(54)

تخلیق آدم کے واقعہ میں اظہار کے بعد دو اسلوب ہیں، یہی دو اسلوب حیاتِ انسانی میں کارفرما نظر آتے ہیں، ایک آدم کا پیغمبرانہ ماڈل اور دوسرا ابلیسی ماڈل، پیغمبرانہ ماڈل کیا ہے؟(55)

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: یعنی صداقت اولین خوبی ٹھہری آگے فرمایا گیا ''یہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوتا ہے تو بزرگانہ انداز سے گزرتے ہیں۔''(56)

ابلاغ کا یہ ماڈل مقصود ہے جس میں صداقت وانکسار ہو نہ کہ جھوٹ، تصنع، بناوٹ، فحاشی وعریانی کا فروغ اور بے حیائی کا کلچر فروغ پاتا رہے، اسلامی نظریہ ابلاغ قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر مبنی ہونا چاہیئے۔ عقیدہ اسلامی کا غیر مبہم اظہار اسلامی اخلاق کی توضیع و تشریح کی جائے، دعوت الی اللہ کی طرف بلایا جائے، دینی اور دنیاوی تعلیم کو فروغ دیا جائے۔ مسلم تشخص کو ابھارنے والے پروگرام نشر ہوں اور صاف ستھری تفریح فراہم کی جائے، احترام انسانیت نیکی کی اشاعت، صحیح معلومات کا ابلاغ ہو، تجسس سے گریز کیا جائے، صالح معاشرے کے قیام میں معاون ثابت ہوں اور اخوت اور یک جہتی کو فروغ دیا جائے۔

ایک اسلامی ریاست کے ذرائع ابلاغ انسانی عظمت اور احترام آدمیت کے اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے اپنی نشریات اور تحریروں میں ایسا پروگرام شامل نہ کریں جس سے انسان کی بے توقیری ہوتی ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس سے کنارہ کرتا ہے۔(57)

بے قید و بے لگام صحافت و نشریات انسانی معاشرت میں تخریب کاری کا ذریعہ ہیں۔ اسلام ذرائع ابلاغ کو احترام انسانیت کے بنیادی اصول کا پابند بناتا ہے مطبوعہ یا الیکٹرک ذرائع ابلاغ کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ لوگوں کی پگڑیاں اچھالیں۔ عوام میں انتشار پھیلائیں اور لوگوں کی عزتِ نفس سے کھیلیں۔ اسلام اس بات سے منع کرتا ہے جس سے دوسرے انسانوں کا دل دُکھے۔

ترجمہ: ''اے اہلِ ایمان مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے کو لعن طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو''۔(58)

کسی شخص کے عیب یا گناہ کا واقعہ اگر حجت شرعیہ سے ثابت ہو جائے، تب بھی اس کی اشاعت اور نشر کرنا جائز نہیں بلکہ اس وقت بھی اسلامی فرض یہ ہے کہ خیر خواہی سے تنہائی میں اس کو سمجھایا جائے،

اگر سمجھانے کو نہ مانے اور آپ کو قدرت ہو تو بجبر اس کو روک دیں، ورنہ کلمہ حق پہنچا کر آپ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں، اس کی اشاعت نہ کریں۔ تجربے سے ثابت ہے کہ یہ بجائے مفید ہونے کے ہمیشہ مضر ہوتا ہے اور اس لیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کی تاکید فرمائی ہے اگر اپنے مسلمان بھائی کا کوئی عیب یا گناہ ثابت ہو تو اس کو رسوا نہ کرے بلکہ پردہ پوشی سے کام لے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کے ایک محرر نے ایک روز ان سے بیان کیا کہ ہمارے بعض پڑوسی شراب پیتے ہیں میرا خیال ہے کہ میں محکمہ احتساب (پولیس) میں اس کی اطلاع کر دوں، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسا مت کرو بلکہ اس کو سمجھا دو اور ڈراؤ، محرر نے عرض کیا کہ میں یہ سب کچھ کر چکا ہوں، وہ باز نہیں آتے، اس لیے میں تو اب پولیس میں اطلاع کروں گا، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، کیوں کہ میں نے رسول ترجمہ (جو شخص کسی کا عیب چھپاتا ہے، وہ اتنا ثواب پاتا ہے، اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جیسے کوئی زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو دوبارہ زندہ کر دے۔(59)

حضرت مخلد بن مسلمہؓ فرماتے ہیں کہ جب میں والی مصر تھا، تو ایک روز دربان نے مجھے اطلاع دی کہ ایک اعرابی دروازے پر حاضر ہے اور آپ سے ملنے کی اجازت چاہتا ہے، میں نے آواز دے کر دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ تو آنے والے نے جواب دیا کہ "جابر بن عبد اللہ" میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا نام سن کر بالاخانہ سے نیچے دیکھ کر کہا کہ یا تو آپ اوپر آجائیں یا میں نیچے آتا ہوں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دونوں باتوں کی ضرورت نہیں، میں تو صرف ایک حدیث کے متعلق آپ سے تحقیق کرنے آیا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث مسلمان بھائی کی پردہ پوشی سے متعلق روایت کرتے ہیں، مخلد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے عیب پر پردہ ڈالتا ہے تو گویا وہ ایک زندہ درگور کو اس کی قبر سے نکالتا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی اونٹ پر سوار ہوئے اور رخصت ہو گئے۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں: ترجمہ: جو شخص اپنے بھائی کا عیب چھپائے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب قیامت کے دن چھپائیں گے اور جو شخص اپنے بھائی کے عیب کھولتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے عیب کھول دیتے ہیں، یہاں تک کہ اس کو گھر کے اندر بیٹھے ہوئے رسوا کر دیتے ہیں۔(60)

تعلیمات نبوی ﷺ میں ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کی مدد سے باز رہتا ہے، جو شخص اپنے بھائی کی کسی حاجت کو پورا کرنے میں لگ جائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کو کسی مصیبت سے نکال دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی عیب پوشی کرے گا۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”جو شخص مسلمانوں کے عیب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا اللہ اس کے درپے ہو جائے گا اور اللہ جس کے درپے ہو جائے، اسے اس گھر میں رسوا کرکے چھوڑتا ہے۔“ (سنن ابو داؤد)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت حرام ہے“۔ (مسلم، ترمذی)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا، اس کی تذلیل نہیں کرتا، ایک آدمی کے لیے یہی شر بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔“ (مسند احمد)

الغرض! کسی مسلمان کا کوئی عیب یا گناہ مشاہدہ یا حجت شرعیہ سے ثابت بھی ہو جائے تب بھی پردہ پوشی سے کام لے اور خفیہ اس کو سمجھائے، کیوں کہ یہی طرز زیادہ موثر اور مفید ثابت ہوا ہے۔ البتہ اگر کسی مسلمان کا ایسا عیب یا گناہ حجت شرعیہ سے ثابت ہوا کہ جس کا نقصان اپنی ذات کو پہنچتا ہے اور یہ اس سے مظلوم ٹھہرتا ہے تو پھر اس کی برائی کو اعلانیہ شائع کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے، مگر جس پر ظلم کیا گیا (وہ ظالم کے ظلم کا اعلان کرسکتا ہے)۔

امام تفسیر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں فرماتے کہ کوئی شخص کسی کی مذمت یا شکایت کرے، لیکن اگر کسی پر ظلم ہو تو اس کے امام تفسیر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں فرماتے کہ کوئی شخص کسی کی مذمت یا شکایت کرے، لیکن اگر کسی پر ظلم ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ ظالم کی شکایت کرے اور اپنے معاملے کا اعلان کرے اور اس کے ظلم کو لوگوں پر ظاہر کرے۔ لیکن اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ عام اعلان و اشاعت کے بجائے صرف ان لوگوں کے سامنے بیان کرے، جو اس کی دادرسی کرسکیں۔

ارشاد نبوی ہے: ”بدترین زیادتی کسی مسلمان کی عزت پر ناحق حملہ کرنا ہے۔“ (سنن ابوداؤد)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”جو شخص اسلوب کلام میں اس لیے ادل بدل کرتا ہے کہ اس کے ذریعے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائے، خدا قیامت کے دن اس کا فدیہ اور توبہ قبول نہ کرے گا۔“ (سنن ابوداؤد)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”قیامت کے دن بدترین حال میں وہ شخص ہو گا، جس نے دوسروں کی دنیا بنانے کی خاطر اپنی آخرت برباد کر ڈالی۔“ (مشکوۃ، ابوامامہ ؓ)

ارشاد نبوی ﷺ ہے ”وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی دعوت دے اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں ہے، جو عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے۔ اور ہم میں سے وہ بھی نہیں ہے، جو عصبیت کی حالت میں مرے۔“ (سنن ابوداؤد)

نیکی کا پھیلاؤ اور برائی سے منع کرنا اسلامی معاشرت کا بنیادی اصول ہے۔ لہٰذا ذرائع ابلاغ کو اسی اصول کی پابندی کرنا ہو گی، قرآن مجید میں فرمایا گیا: ترجمہ ”تم دنیا میں بہترین امت ہو جسے انسانوں کے لیے اٹھایا گیا، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“ (61)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تمہیں نیکی کا ضرور حکم دینا ہو گا اور برائی سے ضرور روکنا ہو گا، ورنہ ممکن ہے کہ اللہ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے، پھر تم اسے پکارو گے اور تمہیں جواب نہ آئے گا۔“ (62)

اس وقت امتِ مسلمہ کی جو حالت ہے وہ اسی فریضے سے کوتاہی کے نتیجے میں ہے۔ نیکی کا فروغ اور بدی کی روک تھام میڈیا کے ذریعے تیز رفتاری کے ساتھ سرانجام دی جاسکتی ہے۔ میڈیا کو اپنا ایسا کردار معاشرے میں متعارف کرانا ہے جو ہر ہر شخص کے جذبات، احساسات اور خیالات کی عکاسی کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار بھی ہو۔ میڈیا ریاست کا بھی وفادار ہو اور آئین و دستور کا بھی پابند ہو۔ حتیٰ کہ اسلام کی آفاقی تعلیمات کا بھی ترجمان ہو۔ میڈیا ملک و وطن کی ساری اکائیوں کی وحدت کی علامت ہو۔ قوم کی اعلیٰ روایات کا امین ہو اور قوم کی ارفع اقدار کا محافظ بھی ہو۔ میڈیا کا کردار غیر جانبدارانہ اور مصلحانہ ہو۔ اس کے کردار میں معلمانہ اور منصفانہ پہلو غالب نظر آئے۔ حق شناسی اس کا شعار اور باطل شکنی اس کی پہچان ہو۔ یہی وہ میڈیا ہے جو ہر ایک انسان اور مسلمان کے دل کی آواز ہے

اور اپنے ہر سننے، پڑھنے اور دیکھنے والے کے احساسات و جذبات کا ترجمان ہے۔ ان تمام تقاضوں پر ہر دور میں پورا اترنا میڈیا کا امتحان ہے۔

اسلام نے حیا سوز اور انسانی معاشرے پر برا اثر مرتب کرنے والے تفریحی پروگرام کی اجازت تو نہیں دی ہے، جیسا کہ آج کل کے تجارتی چینل کا یہ ذہن بن گیا ہے کہ وہ تفریح کے نام پر ہر قسم کے ما ورائے اخلاق پروگرام پیش کرتے رہتے ہیں اور اس کو تفریح اور ذہنی تسکین کا ذریعہ قرار دیتے نہیں تھکتے۔ مختلف شوز پر جس قسم کے بے سروپا پروگرام کے ذریعے ذہنی آسودگی کا دعوی کیا جاتا ہے، وہ ہمارے معاشرے اور بچوں پر منفی اثرات مرتب کررہے ہیں۔ اور معصوم ذہنوں کو پراگندہ کر رہے ہیں۔ ذہنی آسودگی کے لیے اسلام نے تفریحی پروگرام اور مزاحیہ لٹریچر بھی شائع کرنے کی اجازت دی ہے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے مزاح فرمایا ہے۔ جو مزاح نگاری اور فکاہیہ چینلز کے لیے اسوۂ حسنہ کا درجہ رکھتے ہیں؛ لیکن یہاں بھی وہی شرط ہے کہ یہ تفریح کسی کی دل آزاری کا سبب نہ بنے۔ جیسا کہ آج کل کے شوز کا یہ وطیرہ بن گیا ہے کہ وہ تفریح کے نام پر ہمارے ذہنوں میں برائی اور بد اخلاقی کا زہر گھول رہے ہیں تفریح کے نام پر دوسروں کی پگڑی اچھالنے کا جرم کرتے ہیں اور اس کو تفریح کے نام پر جواز کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ اسلام میں اسی تفریحی پروگرام کی اجازت ہے، جو طنز و تضحیک اور توہین پر منتج نہ ہو۔ اے ایمان والو! نہ تو مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا خود ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہے ہیں) عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہی ہیں) خود ان سے بہتر ہوں، اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔

ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بہت بری بات ہے۔ اور جو لوگ ان باتوں سے باز نہ آئیں تو وہ ظالم لوگ ہیں۔ (حجرات: ۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ (63)

مذاق اور تمسخر سے دشمنی سر ابھارتی ہے، اس سے لوگوں میں اختلاف اور تنازع کو ہوا ملتی ہے۔ ٹکراؤ اور تصادم کی آگ بھڑک اٹھتی ہے؛ اسی لیے علامہ عبد الرحمن سعدی نے لکھا ہے: تمسخر انھی

لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے، جن کا دل بُرے اخلاق و آداب کی آماجگاہ اور ساری مذموم خصلتوں کا مرکز ہوتا ہے۔(64) تفسیر سعدی، ج۷، ص:۱۳۵

ایسے تمسخر کی ممانعت کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہج واضح اور ٹھوس تھا، جس کا نتیجہ لوگوں کی توہین وتضحیک کی شکل میں برآمد ہوتا ہو۔ ہم یہاں صرف دو مثالیں بیان کرنا چاہیں گے۔

پہلی مثال حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ روایت ہے کہ میں نے ایک آدمی سے گالم گلوچ کی اور اس کی ماں کو گالی دے ڈالی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: ابو ذر! کیا تم نے اس کی ماں کو گالی دی، بلاشبہ تم ایسے آدمی ہو، جس میں جاہلیت کی عادت ہے۔(65)

دوسری مثال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے وہ فرماتی ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ آپ ﷺ کے لیے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا فلاں فلاں عیب یعنی صفیہ کا پست قد ہونا کافی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تم نے ایسی بات زبان سے نکالی ہے کہ اگر وہ دریامیں گھول دی جائے تو وہ دریا پر غالب آجائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کی نقل اتاری، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ کسی انسان کی نقل اتاروں اگرچہ مجھے اتنا اتنا روپیہ ملے۔(66)

جس طرح ایک بداخلاق شخص تطہیر اخلاق اور تزکیۂ نفس کا کام انجام نہیں دے سکتا، اسی طرح بے مہار ذرائع ابلاغ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اسلامی اقدار کے فروغ و تحفظ کا کام انجام دے سکیں گے۔ اسلام نے خود ان ذرائع کے لیے ایک ضابطۂ اخلاق مقرر کیا ہے، جس کی پابندی کے بغیر وہ مثبت اور تعمیری کردار ادا نہیں کرسکتے۔

خلاصہ یہ کہ ذرائع ابلاغ کی مثال چھری کی ہے کہ اس کے ذریعے پھل بھی توڑا جاسکتا ہے اور کسی کی گردن بھی۔ وہ محتسب کا کردار ادا کر کے کسی کی جان اور عزت و آبرو بھی بچا سکتا ہے اور کسی رہزن کا بھیس بدل کر کسی کی جان اور عزت و آبرو سے کھیل بھی سکتا ہے۔ وہ ظلم و ستم اور جبر و تشدد کی حمایت اور بے حیائی اور بداخلاقی کا پرچار بھی کر سکتا ہے اور اصلاح و تبلیغ کے میدان میں مصلح و مبلغ کا رول بھی ادا کر سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ ذرائع ابلاغ فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے حسن و قبح اور جواز و عدم جواز کا دار و مدار اس کے استعمال اور نیت و مقصد پر موقوف ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ جہاں

ذرائع ابلاغ کو اسلامی قانون اور ضوابط کی روشنی میں ملنے والے حقوق دیے جائیں، وہیں ان پر ایک محتسب اور نگراں بھی مقرر کر دیا دیا جائے۔ تاکہ میڈیا ہر قسم کی بے راہ روی اور انحراف سے دور رہ کر معاشرے کی تعمیر اور ترقی کے لیے کام کر سکے۔ میڈیا میں در آنے والی برائیوں اور بے راہ روی کی وجہ سے ہی پریس ایسوسی ایشن کو گائڈ لائن جاری کرنی پڑتی ہے۔ اور پریس کونسل کے چیئرمین کو میڈیا کے اہل کاروں کو کھری کھوٹی سنانی پرتی ہے؛ اس لیے یہ ضروری ہے کہ میڈیا ہر قدم پر بین الاقوامی ضابطۂ اخلاق کی پابندی کرتے ہوئے حقائق کی ایسی ترجمانی کرے کہ اس کے ذریعے ایک صحت مند، بدعنوانی اور ہر قسم کی برائی سے پاک معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں رہ نمائی مل سکے۔ وہ خبروں کو نشر کرتے وقت فلاح عامہ اور انسانی عظمت و شرافت کا خیال رکھے۔ تعلیمی معلوماتی اور تفریحی مواد کی اشاعت کے وقت حزم و احتیاط کا دامن تھامے رکھے۔ مملکت اور ریاست کے حقوق اور اس کی عزت و توقیر کے تعلق سے اپنی ذمے داری کا ثبوت دے، جنسی جرائم اور بے حیائی پر مبنی پروگرام کی اشاعت سے اجتناب کرے، تاکہ میڈیا کا صاف ستھرا چہرہ عوام کے سامنے آئے اور اس کی معتبریت پر بھی حرف نہ آئے۔ متنازعہ امور کی رپورٹنگ کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر دھیان رکھا جائے کہ اس سے کسی فریق کی حوصلہ شکنی نہ ہو جیسا کہ دہشت گردی کے متعلق واقعات میں ایسا دیکھنے کو ملتا ہے کہ ذرائع ابلاغ اس واقعہ پر ایسے سطحی تبصرہ اور تجزیئے کرتے ہیں جن سے ایک مخصوص گروہ پر الزام لگانے کی بو آتی ہے۔ علامہ محمد اقبال کہتے ہیں: ع

سبق پھر پڑھ شجاعت کا صداقت کا امانت کا دیانت کا
کہ لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

فرامین ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی رو سے پرورش لوح قلم میں ذرائع علم ہو، ابلاغ یا کہ صحافت ہو، کسی بھی شعبہ میں منافقت کی نہ گنجائش ہے نہ پسندیدہ بلکہ مذموم و حرام ہے

عن ابی هريرة ان رسول الله صل الله عليه وسلم قال : من شر الناس ذوالوجهين الذی یاتی هؤلاء بوجه و هؤلاء بوجه.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں میں سب زیادہ شریروہ شخص ہے جس کے دو چہرے ہوں، ایک گروہ کے سامنے وہ ایک چہرہ لیکر آئے اور دوسرے گروہ کے سامنے دوسرا چہرہ لیکر آئے۔"(67)

عصر حاضر کے ذرائع ابلاغ و صحافت کو قرآن اور سیرت طیبہ کی روشنی میں محمود و جمیل کرنے کے ساتھ جملہ مثبت اور تعمیری فکر سے آراستہ کر کے ایک اسلامی صالح صحافت و ابلاغ کی درینہ آرزو پوری کی جاسکتی ہے بلاشبہ یہ ایک طاقت ہے، اگر اس طاقت ور بیل سے امن و سلامتی کے سر سبز و کھیتی کے لیے معاونت کا کام لیا جاسکتا ہے، اگر قرآن و حدیث اور سیرتِ طیبہ کی پاکیزہ حدود سے اسے بے لگام چھوڑ دیا گیا تو یہ علمی عدل اور دیانت نہ ہو گا، محرر کے ادب کے استاد حضرت مشتاق شبنم مرحوم کا ایک شعر اس ضمن میں یاد آتا ہے:ع

پتھروں کا دور بھی ایسا نہ تھا
آدمی وحشی تھا بے چہرہ نہ تھا

حوالہ جات وتعلیقات

(1)۔ لسان العرب، ابن منظور الافریقی، ج8، ص410 مطبوعہ بیروت، سن اشاعت 1956

(2)۔ سورۃ المائدہ، آیت 67

(3)۔ سورۃ المائدہ آیت 96

(4)۔ اسلام کا معاشرتی نظام، ڈاکٹر خالد علوی، ص398، الفیصل ناشران 2009ء

(5)۔ سورۃ المائدہ، آیت 67-

(6)۔ سورہ یسین، آیت 17

(7)۔ المسند، احمد بن حنبل ج4، ص416، دار المعارف قاہرہ، سن اشاعت 1936ء

(8)۔ سورۂ ابراہیم، آیت 52

(9)۔ سورۂ صفت، آیت 102

(10)۔ سوررۂ المائدہ، آیت 67 عرفان القرآن مفتی محمد قاسم عطاری، من کتبۃ المدینہ سن 2000ء

(11)۔ سورۃ المائدہ، آیت 92

(12)۔ تحقیقی مقالہ اسلام کا معاشرتی نظام، ڈاکٹر محمد نصیر، محمد عفان الحق تہمینہ پرویز ص398، اسلامک سائنسز جامعہ کراچی، 2021

(13)۔ سورۃ المائدہ آیت 67

(14)۔ سورۃ یسین، آیت 17

(15)۔ سورۂ ابراہیم، آیت 52

(16)۔ سورہ شوری، آیت 48

(17)۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب الوضوح 1، ص86 دارالکفر بیروت، ت،ن۔

(18)۔ بخاری، ص234، ایضاً فتح الباری، ابن حجر عسقلانی ص20،11 الطبعۃ الخیریہ مصر القاھرہ، ت،ن۔

(19)۔ بخاری کتاب الحج، باب الخطبہ ایام منی

(20)۔ سورۃ البقرہ، آیت30

(21)۔ سورۃ البقرہ، آیت31

(22)۔ صحافتی ذمہ داریاں اختر ناز، ص24، مقتدرہ قومی زبان، 1990ء

(23)۔ سورۃ الاعراف، آیت11

(24)۔ جدید ابلاغ عامہ مہدی حسن ص224 مقتدرہ قومی زبان نیز اسلامی ریاست میں آزادی ذرائع ابلاغ کی حدود، ڈاکٹر محمد اسیم اکبر شیخ ص22، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور2000ء

(25)۔ ذرائع ابلاغ اور تحقیقی طریقے، کنور محمد دلشاد ص286 مقتدرہ قومی زبان، 1999ء

(26)۔ جدید ابلاغ عامہ، مہدی حسن، ص225، مقتدرہ قومی زبان، 1999ء نیز اسلامی ریاست میں آزادی ذرائع ابلاغ کی حدود، 79

(27)۔ سورۃ الاعراف، آیت62

(28)۔ سورۃ الاحقاف، آیت23

(29)۔ سورہ ہود، آیت57

(30)۔ سورۃ الاعراف، آیت79

(31)۔ سورۂ عنکبوت، آیت8

(32)۔ سورۃ الاعراف، آیت93

(33)۔ تحقیقی مقالہ اسلام کا معاشرتی نظام، ڈاکٹر محمد نصیر، محمد عفان الحق تہمینہ ص14، 15

(34)۔ سورۃ آل عمران، آیت20

(35)۔ سورۃ المائدہ، آیت92

(36)۔ سورۃ المائدہ، آیت99

(37)۔ سورۃ الرعد، آیت 40

(38)۔ سورۃ النحل آیت 82

(39)۔ سورۂ نور، آیت 54

(40)۔ سورۃ الشوریٰ، آیت 48

(41)۔ التغابن آیت 12

(42)۔ سورۂ ابراہیم، آیت 52

(43)۔ تحقیقی مقالہ اسلام کا نظریۂ ابلاغ، ص 18

(44)۔ پاکستانی ابلاغیات، مقالہ جات (حسن عسکری فاطمی، ص 6، مکتبہ صحافت، سن 1995ء)

(45)۔ پاکستانی ابلاغیات، ص 9

(46)۔ اسلام کا قانون صحافت رانا سلطان محمود، 17,18 معراج پرنٹرز لاہور پاکستان,1995

(47)۔ سورہ نحل 125

(48)۔ ذرائع ابلاغ اور تحقیقی طریقے کنور محمد دلشاد ص 287

(49)۔ ذرائع ابلاغ اور تحقیقی طریقے 286،285 ایضا

(50)۔ ایضاً، ص 286

(51)۔ ایضاً، ص 287

(52)۔ اسلام کا قانون محافت، ص 60,61

(53)۔ ذرائع ابلاغ اور تحقیقی طریقے

(54)۔ سورۃ ایضا، ص 297

(55)۔ سورۂ توبہ 119

(56)۔ سورۂ فرقان 72

(57)۔ بخاری ابو عبد اللہ، کتاب فی المضالم والغصب ص 892,17 باب لا نظیم المسلم المسلم رقم الحدیث 2267

(58)۔ سورۂ حجرات آیت 11

(59)۔ سورۂ حجرات آیت 11

(60)۔ الترغیب والترہیب، جلد 4 صفحہ 103

(61)۔ الترغیب والتربیب صفحہ 104

(62)۔ آل عمران آیت 110

(63)۔ ترمذی ابو عیسی محمد، بواب، القتس، باب ماجافی الآمر بالمعروف ونہی عن المنکر، رقم الحدیث 39 قرآن محل کراچی ت،

(64)۔ مسلم، کتاب البر والصلہ حدیث نمبر 2564

(65)۔ تفسیر سعدی، علامہ عبد الرحمن جلد 7 صفحہ 135 مکتبہ دار السلام، ت،ن۔

(66)۔ بخاری کتاب الایمان حدیث 30

(67)۔ ابوداؤد کتاب الآداب حدیث 4875

(68)۔ الموطاء، امام مالک صفحہ 1074 بشیر برادرز 2007۔

International Advisory Board

Dr. Nargis Jabri Nasab(Tehran)

Dr.Aleem Ashraf (India)

Dr. Rizwan Fazal-ur Rehman(Madina)

Dr. Halil Toker (Turkey)

Dr. Ahmad (Madina)

Dr. Ghulam Zarqani (USA)

Dr. Muhammad Hussain Tasbihe (Iran)

Dr.Shah Kawthar Mustafa (Bangladesh)

Dr.Sheikh Salim Alwan Al-Husainyy(Australia)

Muhammad Masood Ahemad Suharwardi Ashrafi (U.S.A)

National Advisory Board

Dr. Saleem Mazhar
(University of The Punjab)

Dr. Muhammad Akram Rana
(Minhaj University, Lahore)

Dr.Muhammad Sohail Shafiq
(Karachi University)

Dr. Humayun Abbass Shams
(G.C University Faisalabad)

Dr. Mumtaz Ahmed Sadidi
(Minhaj University Lahore)

Dr. Tanzeem ul Firdaus
(Karachi University)

Dr. Muhammad Kamran
(Govt Degree College, Gulshan Iqbal)

Dr.Ismail Badayuni
(Superior College Shah Faisal Colony)

Dr.Muhammad Hassan Imam
(Urdu University)

Dr. Muhammad Tufail Hashmi
(HITEC University Islamabad)

Dr. Mujeeb Ahmed
(International Islami University)

Dr. Syed Attaullah Bukhari
(Cadet College Ghotki, Sindh)

Dr. Saleem Mazhar
(Punjab University Lahore)

Dr. M. Meharban Barvi Shami
(Karachi University)

Dr. Mahmood Alam Aasi
(Allama Iqbal University, Karachi Region Visiting Faculty)

Name of the Journal:	Shahid Research Journal
Editor Name:	Prof. Dr. Dilawar Khan
Pages:	
Issue No:	18, July – December 2023
Volume No:	09
Price: (single Copy)	Rs. 300/=, $. 15/=
Publisher:	Shahid Research Foundation.

This Journal has been indexed in following international Agencies (1)Journal Index (2) Directory of Research journal Indexing (3)Directory of abstract and Indexing for Journal (4) Cosmos Impact factor

Note:

Views expressed in the articles of this journal are of authors and do not reflect the views of Advisory/ Editorial board of the Shahid Research Journal.

Shahid Research Foundation

C-327/3, Block no 1, Gulistan e Johar, Karachi.
Cell no: 0322-2413267, 0333-2177442.
Email: prof.dilawarkhan@gmail.com

Shahid Research Journal

July-December 2023, Volume: 09, Issue: 18,

Patron in-chief:

Prof. Dr. Abdul Jabbar Qureshi

Ex-Chairman: Department of Islamic Studies
Federal Urdu University Karachi

Editor:

Prof. Dilawar khan

Principal: Govt College Education,
Education City Malir Karachi

Sub Editor:

Dr. Fayaz Shaheen

Lecturer: Hamdard University,
Karachi

Shahid Research Foundation Pakistan

C-327/3, Block No 1, Gulistan –e-Johar Karachi
Call No: 0322-2413267, Email: prof.dilawarkhan@gmail.com

بسم الله الرحمن الرحيم

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا

ISSN: 2411-0949

SHAHID INTL RESEARCH JOURNAL

BLIND PEER REVIEWED JOURNAL BI-ANNUAL

VOLUME # 9, ISSUE NO:18

JULY TO DECEMBER 2023

FOUNDER EDITOR:

PROF. DR. DILAWAR KHAN

SHAHID RESEARCH FOUNDATION
PAKISTAN

E-mail: prof.dilawarkhan@gmail.com

ISSN DRJI Cosmos DOAJ